

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ أَمَا بَعْدُ! فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (الاحزاب: 41)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

مؤمنین کو ذکر کثیر کا حکم ہے:

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ذکر کثیر کا حکم دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (الاحزاب: 41) اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا مگر ساتھ شرط لگا دی کہ کثرت کے ساتھ ذکر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی کسی عبادت کی کثرت کا حکم نہیں دیا لیکن جہاں ذکر کا تذکرہ آیا وہیں کثرت کا حکم دیا۔ دیکھیں کہ جب ذکر کی بات کی تو کثرت ذکر کی بات کی لیکن جب عمل کی بات ہوئی تو کثرت عمل کی بات نہیں کی بلکہ خوبی عمل کی بات کی، فرمایا،

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملك: 2)

یہاں اکثر عَمَلًا نہیں کہا بلکہ أَحْسَنُ عَمَلًا کہا کہ ہم نے موت و حیات کو پیدا کیا، یہ دیکھنے کے لئے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ عمل کی کوالٹی مانگتے ہیں کہ جو عمل بھی کرو پورے اخلاص سے کرو۔ جو اس کی صحیح کیفیت ہے اس کیفیت کے ساتھ کرو۔ لیکن ذکر کے لئے کثرت کی قید لگا دی۔

یوں تو ہر کلمہ گو ذکر کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنا بھی ذکر ہے، نماز پڑھنا بھی ذکر ہے، قرآن مجید کی تلاوت کرنا

بھی ذکر ہے۔ اور ذکر کرنا بھی ذکر ہے۔ گویا ہر کلمہ گو ذکر تو کرتا ہے مگر ذکر کثیر نہیں کرتا اس لئے اس کو فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کے فائدے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ یہ نکتہ بتا دیا کہ کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرو اس میں فائدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعة: 10) اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تو دیکھیں کہ جہاں بھی ذکر کا حکم ہے وہاں کثرت کا بھی حکم ہے۔ ایک جگہ کثرت سے ذکر کرنے والے مرد و عورت کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالذُّكْرِیْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَ الَّذِیْكَرَتْ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب: 35)

اور کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ ذکر میں کثرت کا بڑا دخل ہے۔

کثرت ذکر کی تاثیر:

یہ ذکر کے ساتھ کثرت کی شرط کیوں لگائی؟ اس لئے لگائی کہ بعض اوقات چیز کی مقدار کا اس کی تاثیر میں دخل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نمک ہم سب کھاتے ہیں مگر اس نمک سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اگر اسی نمک کو بہت زیادہ پتلا کر دیا جائے تو یہ دوائی بن جاتی ہے۔ ایک ہومیو پیتھک دوائی ہے جو عام طور پر نزلہ زکام کنٹرول کرنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ وہ صرف نمک سے بنتی ہے۔ اگر عام بندہ جسے نزلہ زکام نہیں ہے وہ اس دوائی کی ایک خوراک لے لے تو اسے نزلہ زکام ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی نے اس

کا تجربہ کرنا ہو تو وہ دوائی کی چند خوراکیں لے اور پھر ایک دن کے بعد اپنی حالت دیکھے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم وہی چیز چچ بھر بھر کر سالن میں ڈالتے ہیں تو وہ ہمیں کچھ نہیں کہتی اور وہی چیز جب بہت قلیل مقدار میں لی جاتی ہے تو آدمی کے لئے دوائی بن جاتی ہے۔ اسی طرح ایک چیز تھوڑی مقدار میں لیں تو فائدہ نہیں دیتی اور اگر صحیح مقدار میں لیں تو فائدہ دے دیتی ہے۔ جو گولیاں ہم کھاتے ہیں ان میں سے کوئی درد کی دوا ہوتی ہے تو کوئی بخار کی۔ یہ ساری گولیاں چیزوں کی ایک خاص مقدار پر بنی ہوتی ہیں۔ اگر آپ اتنی مقدار میں نہ لیں تو آپ کو شفاء نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک آدمی کو بخار ہوا۔ ڈاکٹر نے اس کو گن کر اکیس (۲۱) گولیاں دیں اور کہا کہ جی یہ انٹی بائیوٹک ہے۔ یہ آپ نے تین گولیاں صبح دوپہر اور شام کے وقت سات دن تک کھانی ہیں۔ یہ سات دن کا کورس مکمل کرنے کے بعد آپ ٹھیک ہو جائیں گے..... اب دوائی کھانے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ اس دوائی کو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کرے گا تو ٹھیک ہو جائے گا اور اگر وہ یہ کہے کہ میرے بیٹے کا میڈیکل سٹور ہے لہذا میں تو سات دنوں کی جگہ زیادہ دن بھی دوائی کھا سکتا ہوں مگر میں روزانہ ایک گولی کھاؤں گا۔ اب اگر وہ روزانہ ایک گولی کھائے اور اس طرح وہ پچاس گولیاں بھی کھالے تو اس کا بخار نہیں اترے گا۔ اب ڈاکٹر سے جا کر کہے کہ میں نے پچاس گولیاں کھائی ہیں مگر میرا بخار نہیں اترتا تو ڈاکٹر اسے کہے گا۔ جناب اگر آپ عقل سے کام لیتے اور میری ہدایت کے مطابق گولیاں کھاتے تو بالکل ٹھیک ہو جاتے۔ اب غور کریں کہ اس نے گولیاں بھی ٹھیک کھائیں اور وہ بنی ہوئی بھی ٹھیک تھیں مگر چونکہ اس نے مقدار پوری نہیں لی تھی اس لئے اسے فائدہ نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چیز کی مقدار کا اس کے اثر میں دخل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا کہ اللہ کا ذکر کرو یہاں ساتھ اس کی مقدار بھی بتا

دی۔ فرمایا **ذِكْرًا كَثِيرًا** (الاحزاب: 41) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کثرت سے ذکر نہیں کرے گا وہ فائدہ نہیں پائے گا۔ اسی لئے جو غافل اور جانور قسم کے لوگ ہیں اور خواہشات کے پیچھے بھاگنے والے ہیں ان کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے۔

وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء: 142) اور نہیں ذکر کرتے مگر تھوڑا۔

وہ ذکر تو کرتے ہیں مگر تھوڑا ذکر کرتے ہیں اور تھوڑا ذکر کرنے والے جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کی پیروی کرتے پھرتے ہیں..... تھوڑا ذکر کرنے والے نفس کے غلام بنے پھرتے ہیں..... تھوڑا ذکر کرنے والے

مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (النساء: 143) بیچ میں لٹکے ہوئے ہیں نہ ان کی طرف ہوتے ہیں نہ ان کی طرف ہوتے ہیں۔

کے مصداق ہیں۔ وہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔ تھوڑا ذکر کرنے سے انسان کے اندر وہ صفات پیدا نہیں ہوتیں جو ذکر کثیر کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض اوقات سالک بھی اپنی اصلاح کے لئے مخلص ہوتا ہے اور شیخ بھی اس کے حال کے مطابق ٹھیک نسخہ تجویز کرتا ہے لیکن پھر بھی اسے فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ تھوڑا ذکر کرتا ہے۔ کم ذکر کرنے والے بدگمانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ بعض اوقات تو شیخ کے بارے میں بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔ وہ اکثر بائزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ آپ یکسوئی کے ساتھ معمولات کی پابندی کریں اور رابطہ رکھیں اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کو آپ کے حق میں بائزید بسطامی اور جنید بغدادی بنا دیں گے کیونکہ یہ نسبت قیامت تک باقی رہنی ہے۔

جو لوگ کثرت سے ذکر نہیں کرتے وہی فائدہ نہیں پاتے۔ کتنے ہی ایسے دوست ہیں جو کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی ایسی بارش برساتا ہے کہ سالوں بلکہ مہینوں میں ان کا کام بن جاتا ہے۔ کئی تو ایسے ہوتے ہیں کہ جو ذکر کرتے نہیں اور کہتے ہیں کہ ترقی نہیں ہو رہی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک آدمی دوائی بھی نہ کھائے اور یہ کہے کہ شفا نہیں ہو رہی۔ اس میں ڈاکٹر کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ آج کل تو ایسا دور آ گیا ہے کہ لوگ ڈاکٹر کا قصور بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ڈاکٹر ٹھیک نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر نے تو دوا بتا دی یعنی اسباق سکھا دیے ہیں۔ اس کے بعد اگر آپ وہ اسباق کریں، پھر اپنی کیفیت بتا کر پوچھیں کہ اب کیا کرنا ہے اور وہ نہ بتائے تو وہ قصور وار ہے۔ ڈاکٹر نے تو آپ کو پوری ہدایات دے دیں کرنا نہ کرنا تو آپ کے اختیار میں ہے۔ اگر کسی کو ڈاکٹر کہے کہ آپ یہ دوائی استعمال کریں بخار اتر جائے گا، مگر وہ بندہ اس دوائی کو اپنی جیب میں ڈال لے۔ اور پھر چند دنوں کے بعد کہے کہ ڈاکٹر صاحب! مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر پوچھے گا کہ کیا آپ نے وہ دوائی کھائی تھی۔ تو وہ جواب دے کہ جی میں نے وہ دوائی جیب میں ڈال لی تھی، تو ڈاکٹر کہے گا عقل کے اندھے! اسے پیٹ میں ڈالنا تھا۔ جیب میں ڈالنے سے فائدہ نہیں ہونا تھا بلکہ پیٹ میں ڈالنے سے فائدہ ہونا تھا۔ اسی طرح ہم معمولات وغیرہ تو کرتے نہیں اور پھر شیخ کے ساتھ شکوے کرتے پھرتے ہیں۔

مراقبہ انٹی بائیوٹک کی مانند ہے:

اکثر دوستوں کو شیطان اس پوائنٹ پر اٹکا دیتا ہے کہ وہ مراقبہ چھڑوا دیتا ہے۔ تلاوت بھی باقاعدگی سے کرتے ہیں، نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتے ہیں، درود شریف بھی پڑھ لیتے ہیں اور استغفار بھی پڑھ لیتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ مراقبہ نہیں ہوتا۔ ان معمولات کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ڈاکٹر نے انٹی بائیوٹک بھی دی اور ساتھ ہی اس نے دردوں اور وٹامن کی گولیوں کا ایک سیٹ بنا کر دیا۔ اس میں مراقبہ انٹی بائیوٹک

کی مانند ہے جو گناہوں کا بخارا تارنے کی اصل دوا ہے۔ جس طرح بخار کا مریض اپنی ادویات میں سے انٹی بائیوٹک نکال دے اور باقی دوائی کے پھکے مارتا رہے تو اس کو شفا نہیں ہوگی اسی طرح مراقبہ کو چھوڑ کر باقی معمولات کر لینے سے بھی کامل روحانی شفا حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ اکثر و بیشتر سالکین کی طرف سے آپ کو ایک ہی شکایت ملے گی کہ جی میری ترقی نہیں ہو رہی لیکن جب آپ اس سے تفصیل پوچھیں گے تو ایک ہی جواب ہوگا کہ جی مراقبہ نہیں ہوتا۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو گھنٹوں بیٹھ کر دوسروں کی غیبت اور دنیا کے تذکرے کرتے رہتے ہیں، کیا وہ دو گھنٹے بیٹھ کر مراقبہ نہیں کر سکتے۔ یا درکھیں کہ جو سالک مراقبہ نہ کرے اور ترقی نہ ہونے کا شکوہ کرے اس میں اس کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ البتہ کوئی مراقبہ تو ایک یا دو گھنٹے کرے اور پھر کہے کہ ترقی نہیں ہو رہی تو پھر یہ دیکھنا پڑے گا کہ مراقبہ کے اثرات اس کے قلب کے اندر کیوں جڑ نہیں پکڑ رہے۔ پھر اگلا مرحلہ آئے گا۔

ذکر سے ذات کی محبت بڑھتی ہے:

ایک بات یاد رکھیں کہ ذکر سے ذات کی محبت بڑھتی ہے۔ آپ ذرا کہیں انناس کے پھل کا یا کشمیری چائے کا تذکرہ سنیں تو فوراً آپ کے دل میں ان چیزوں کے حصول کی طلب پیدا ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ میں نے ایک بچے کے سامنے جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ کیا تو وہ دوسرے لمحے یہ کہنے لگا کہ میں ابھی جنت میں جانے کیلئے تیار ہوں۔ شریعت کا حسن و جمال دیکھئے کہ اس نے عورت کو اپنے شوہر کے سامنے کسی غیر عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تذکرہ کرے گی تو اس غیر عورت کی محبت اس کے شوہر کے دل میں پیدا ہوگی اور خود اس پر مصیبت آجائے گی۔ اسی طرح ذکر اللہ سے اللہ کی ذات کی محبت بڑھتی ہے۔ وہ ذکر چاہے مراقبہ کی شکل میں ہو، چاہے تہلیل لسانی کی شکل میں ہو چاہے فکر کا ذکر ہو۔ ذاکر زندہ کی طرح اور غافل مردہ کی طرح ہے۔ مردہ ہونے کا

مطلب یہ ہے کہ وہ وعیدیں اور بشارتیں تو سنے گا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

دل کا سیل فون:

اللہ تعالیٰ نے کثرت ذکر کا حکم دیا ہے۔ کیا ہم کثرت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں؟ کثیر کا لفظ آدھے سے زیادہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور قلیل کا لفظ آدھے سے کم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کیا ہمارا پچاس فیصد سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزرتا ہے۔ اگر نہیں گزرتا تو ہم ذکر کثیر نہیں کر رہے۔ ہمیں اپنی بیماری کا علاج سمجھنا بڑا آسان ہے۔ مشکل نہیں ہے ہمت سے کام لیں اور مراقبہ کی پابندی کر کے دیکھیں پھر اس کی برکتیں خود دیکھنا۔ جو بندہ مراقبہ نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ سیل فون پر باتیں تو کرے مگر اس کو چارجنگ کے ساتھ نہ لگائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیٹری ایک یا دو دن چلے گی اور تیسرے دن بات ہوتے ہوتے درمیان سے کٹ جائے گی۔ اگر کوئی پوچھے کہ آپ کی بات ہو رہی تھی کٹ کیوں گئی تو کہتا ہے کہ بیٹری کام نہیں کر رہی۔ وہ پوچھے کہ بیٹری کیوں کام نہیں کر رہی تو یہ کہتا کہ میں نے اس کو چارج نہیں کیا۔ اسمیں قصور اس کا اپنا ہوگا۔ بیٹری کو روزانہ چارج کرنا پڑتا ہے۔ سیل فون رکھنے والے اچھی طرح واقف ہیں کہ وہ دن کو فون پر باتیں کرتے ہیں اور رات کو چارج کرتے ہیں۔ دل کے سیل فون کا بھی یہی حال ہے۔ دن کو اس سے کام لو اور رات کو اللہ کے ساتھ ملا کر اسے چارج کرو۔ دنیا کا سیل فون بجلی سے چارج ہوتا ہے۔ اور دل کا سیل فون اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے نور، برکت، رحمت اور سکینہ سے چارج ہوتا ہے۔ جس طرح فون کی بیٹری فل چارج ہو تو زبردست قسم کی گھنٹی بجتی ہے اسی طرح جب دل کی بیٹری فل چارج ہو تو پھر قلبی ذکر کی گھنٹی بھی خوب رُکا کے بجتی ہے۔ پھر لطائف کی گھنٹیاں اللہ والی بج رہی ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہیں دیتا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہمیں ذکر کثیر سے ہی فائدہ ہوگا۔ جن بزرگوں نے کچھ پایا انہوں نے ذکر

کثیر ہی کیا۔ آپ مجھے کوئی ایک بندہ بھی دکھا سکتے جو منٹوں کا ذکر کرنے کا عادی ہو اور اس نے ولایت کے درجات حاصل کئے ہوں؟ اس عاجز کی زندگی کے چالیس سال تصوف و سلوک کی لائن پر گزر رہے ہیں اور میں نے اپنی زندگی میں کوئی بندہ ایسا نہیں دیکھا جو پانچ اور دس منٹ ذکر کرتا ہو اور اس نے ولایت کے درجات حاصل کر لئے ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کے لئے گھنٹوں لگانے پڑتے ہیں۔ پھر مقصود حاصل ہوتا ہے۔

لمبا مراقبہ:

ہمارے مشائخ صبح و شام لمبا مراقبہ کیا کرتے تھے۔ حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک بزرگ تھے۔ حضرت حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں پھراں والے۔ وہ ایک بڑے مفسر قرآن تھے۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فیض پایا۔ فرماتے ہیں کہ جب لوگ ان کی خانقاہ پر جاتے تھے تو عشاء کے بعد وہ مراقبہ کرواتے تھے اس مراقبہ کی اختتامی دعا بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہاں دستور تھا کہ عشاء کے بعد حضرت کے ساتھ مراقبہ میں سر جھکانا ہے۔ سا لکین کو کھلی چھٹی تھی کی جو تھک جائے وہ چلا جائے یا جس کو نیند آئے وہ بھی چلا جائے۔ اس طرح ایک چلا جاتا دوسرا چلا جاتا، تیسرا چلا جاتا، حتیٰ کہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ مراقبہ سے سراٹھاتے تو دیکھتے کہ سارے ہی چلے گئے ہیں۔ حضرت اٹھتے اور تہجد کی نیت باندھ لیتے تھے۔ یوں پوری رات اللہ کی یاد میں گزار دیتے تھے۔

ان کے خلفاء بھی کثرت سے ذکر کرتے تھے۔ سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنائی کہ ہم ان کے ایک خلیفہ سے ملنے کے لئے گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور ساتھ حضرت مولانا سید احمد گوبانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ یہ بڑوں کے تعلق کی وجہ سے ان سے ملنے کے لئے گئے۔ فرمانے

لگے کہ مجھے ڈیوٹی پر بھی جانا تھا۔ جب ہم فجر کے بعد گئے تو ہمارے پاس تین گھنٹے تھے۔ ہم نے سوچا کہ جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں ہم وہاں پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گے اور پانچ منٹ میں واپس آجائیں گے۔ تو درمیان میں ان کے پاس تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھیں گے، یوں ہمیں ان کی مجلس مل جائے گی۔ فرمانے لگے کہ جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت نے فرمایا کہ آئیں ہم مراقبہ کریں۔ ہم دو تھے اور ایک مراقبہ کروانے والے تھے۔ مجمع میں سے اٹھ کر جانا آسان ہوتا ہے مگر جب صرف دو شاگرد بیٹھے ہوں تو اٹھ کر جانا مشکل کام ہوتا ہے۔ ہم تو تھے بھی پرائیویٹ گھر میں جاتے کہاں؟ فرمانے لگے کہ جب ہم نے سر جھکایا تو اب ہم مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ ہماری گردن تھک گئی مگر حضرت کو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ ابھی گردن کی ہڈی ٹوٹے گی۔ کبھی ادھر سائیڈ بدلتے کبھی ادھر، پہلو بدل بدل کر ہمیں سکون ہو گیا اور وہ مراقبہ میں آرام سے بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ جب اڑھائی گھنٹے گزر گئے تو ہم نے ٹائم دیکھا۔ پھر پریشانی ہوئی کہ مجھے تو ڈیوٹی پر جانا ہے۔ اب ہمارا دل کرتا تھا کہ اٹھ کر چلے جائیں لیکن پھر کہتے کہ ادب کے خلاف ہے۔ ہم بیٹھے تو تھے مگر ہمارے دماغ میں جنگ چل رہی تھی۔ جب پونے تین گھنٹے مکمل ہوئے تو اس وقت حضرت نے دعا فرمائی۔ ان کو کشف کے ذریعے اندازہ ہو گیا۔ چنانچہ دعا کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ جب آیا کریں تو مراقبہ کے لئے وقت تولے کر آیا کریں..... اللہ اکبر..... جواب میں حضرت نے فرمایا، بہت اچھا! جب ہم اسندہ آئیں گے تو وقت لے کر آئیں گے۔

حضرت مولانا سعید احمد گوانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے عرض کیا، حضرت ہم چاہتے ہیں کہ آپ ذرا ہمارے لطائف پر توجہ فرمادیں۔ وہ پنجابی بولتے تھے۔ لہذا پنجابی میں کہنے لگے۔

”تازہ ہن تازہ رہسن“

یعنی تمہارے لطائف تازہ ہیں اور تازہ رہیں گے۔ اللہ اکبر، جو کثرت ذکر کرتے ہیں وہ پھر کہہ بھی سکتے

کہ یہ تازہ ہیں اور تازہ رہیں گے۔

دل کے لئے بیلنگ ٹائم:

جو لوگ اچھی مٹھائیاں او بسکٹ وغیرہ بناتے ہیں وہ ہر چیز کو بیلنگ ٹائم (پکنے کا وقت) دیتے ہیں۔ جب آپ پاس ہونے پر اپنے دوستوں کی دعوت کیلئے ان سے کیک بنوانے کے لئے کہیں گے تو وہ آپ سے سائز پوچھیں گے اور کیک بنا کر اس کو اوون (بھٹی) کے اندر رکھ دیں گے اور ایک خاص وقت تک اس میں رکھیں گے۔ اگر کیک کو اس میں اتنا ہی وقت رکھا جائے تو وہ بہترین پکتا ہے، اس سے کم وقت میں بھی نہیں پکتا اور زیادہ میں بھی نہیں پکتا۔ اس سے نیچے پکے گا تو کچا رہ جائے گا اور زیادہ پکے گا تو وہ جل جائے گا۔ تو ہر چیز کا ایک بیلنگ ٹائم ہے لیکن میرے دوستو! ہم مراقبہ کر کے اپنے دل کے کیک کو بیلنگ ٹائم ہی نہیں دیتے۔ ہم دل کو مراقبہ کے اوون میں ڈالتے ہیں اور دو منٹ بعد نکال لیتے ہیں۔ جبکہ اس کو گھنٹوں کے حساب سے بیلنگ ٹائم کی ضرورت ہوتی ہے۔

خواہشات نفسانیہ کا سٹرپس کیسے دور ہو:

جب لوہے کی مشینری بناتے ہیں تو اس کے اندر سٹرپس (کھنچاؤ) آجاتا ہے۔ اس کے اندر کے گرین فل ہو جاتے ہیں یعنی اس کے اندر کے جو دانے ہیں ان میں کھنچاؤ آجاتا ہے۔ اس کھنچاؤ کو دور کرنے کے لئے ان کے سٹرپس کو ریلیو (ختم) کرنا پڑتا ہے۔ اس مقصد کے لئے تین سے آٹھ گھنٹے تک اس مشینری کو ایک خاص ٹمپریچر پر رکھنا پڑتا ہے۔ ٹربائن اور جنریٹر کے نازک پرزے بھی اسی طرح بنتے ہیں کہ پہلے عام بناتے ہیں پھر اس جگہ پر رکھ کر اس کے سٹرپس کو ختم کرتے ہیں۔ اب اگر اس مشینری نے آٹھ گھنٹوں میں ٹھیک ہونا ہو اور ہم اس کو وہاں آٹھ منٹ کے لئے رکھیں اور نکال لیں۔ پھر شام کو آٹھ منٹ کے لئے رکھیں اور نکال لیں۔ اگر ہم روزانہ اسی طرح کرتے رہیں تو ہم ایک سال تک بھی کرتے رہیں تو اس کے

سٹر لیس ختم نہیں ہوں گے۔ اگر آپ کہیں کہ جناب میں نے تو آٹھ آٹھ منٹ کر کے آٹھ گھنٹے دیے ہیں۔ تو انجینئرز حضرات کہیں گے کہ اس سٹر لیس کو دور کرنے کا ایک خاص وقت ہے۔ اگر اس سے پہلے نکال لیں گے تو اس کے سٹر لیس ہرگز دور نہیں ہوں گے۔ اسی طرح ہر انسان کے نفس میں خواہشات نفسانیہ کا سٹر لیس ہے۔ اس سٹر لیس کو ختم کرنے کے لئے گھنٹوں مراقبہ کرنا پڑتا ہے۔ تب جا کر دور ہوتا ہے۔ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم مراقبہ کرتے ہی نہیں۔ بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ پیر صاحب کی خانقاہ میں اللہ کے رنگ والا ایک ایسا ٹینک ہونا چاہیے کہ ہم جائیں اور پیر صاحب ہمیں اس ٹینک میں ڈبکی دے کر بھیج دیں کیونکہ ہمیں واپس جلدی گھر جانا ہوتا ہے۔

بے طلبی کی انتہا:

آج کل کے سالکین آتے ہی چند باتیں کرتے ہیں۔

(۱) پہلی بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! میں نے بڑے مشائخ کو دیکھا ہے۔ لیکن میں آپ سے بیعت ہوا ہوں، کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ میرا آپ پر احسان ہے کہ اتنے مشائخ کو دیکھنے کے باوجود میں آپ سے بیعت ہوا ہوں۔

(۲) دوسری بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! مجھے مراقبہ کیلئے وقت تو ملتا نہیں۔ بس آپ ہی کچھ توجہ کر دیں..... ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کرتے ہیں کہ کاروبار بھی کچھ اچھا نہیں، ڈاؤن سا ہے، بس پڑھنے کے لئے کچھ بتا دیں..... ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! اولاد بھی آج کل کچھ نافرمان سی ہے پڑھائی میں دلچسپی نہیں لے رہی۔ نہ بیٹیاں پڑھتی ہیں اور نہ ہی بیٹا پڑھ رہا ہے، بہت سمجھاتا ہوں لیکن وہ سمجھتے ہی نہیں، ان کیلئے

بھی کچھ بتادیں..... ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

(۵) پانچوں بات یہ کرتے ہیں کہ حضرت! میں اپنی طرف سے تو بڑی کوشش کرتا ہوں کہ گھر کا ماحول خوشگوار رہے، لیکن میری بیوی بات نہیں مانتی ہر وقت چیخ چیخ ہوتی رہتی ہے، ضد بازی کرتی ہے، اسے غصہ بہت آتا ہے، حضرت! اس کے لئے بھی کوئی ایسی چیز پڑھنے کے لئے دے دیں کہ وہ میری مریدنی بن جائے (دل میں یہی بات ہوتی ہے) حضرت! اس کے لئے بھی کچھ بتادیں۔ ویسے مجھے جلدی گھر جانا ہے۔

اب آپ یہ بتائیں کہ جو بندہ آکر یہ باتیں کرے تو پھر اس نے تزکیہء نفس کیلئے کیا محنت کی۔ بھئی یہ تزکیہ نفس ایک مستقل کام ہے۔ جس کے لئے وقت نکالنا ضروری ہے۔ سارا دن دفتر میں لگائیں اور باقی وقت بیوی بچوں میں گزاریں اور مراقبہ بھی نہ کریں اور پھر اعتراض بھی پیر صاحب پر کریں کہ پیر صاحب ہمیں وقت نہیں دیتے۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ اول اللہ کے بندے! پیر صاحب تو روزانہ تہجد میں اور تخلیہ کے دوسرے اوقات میں جب بیٹھتے ہیں تو پوری دنیا کے متعلقین پر توجہ ڈال رہے ہوتے ہیں۔ فیض تو بارش کی طرح برس رہا ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ باقی درخت تو بارش کا پانی پی لیں اور آپ کو پانی پینے کا موقع نہ ملے۔

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے سبھی پر یکساں ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

انتقال فیض کی تین شرائط:

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ ایک ہوتا ہے ٹرانسمیٹر۔ اس سے قاری عبدالباسط کی آواز میں تلاوت یا خبریں وغیرہ ٹرانسمٹ ہو رہی ہوتی ہیں اور ریسیور (ریڈیو) کے ذریعے ہم اس کو ریسو کر کے سن رہے ہوتے ہیں۔ بی بی سی کی خبروں کی ہی مثال لیتے ہیں۔ وہاں سے خبریں سننے کے لئے تین شرائط کا پایا

جانا ضروری ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہاں سے خبریں نشر ہو رہی ہوں، پھر ہی سنی جاسکیں گی۔ اگر بی بی سی کا ٹائم ہی نہ ہو اور کوئی خبریں لگانے کی کوشش کرے تو فقط شوشوں ہی ہو رہی ہوگی۔ اب اگر کوئی مجھے کہہ دے کہ بی بی سی کی خبریں لگا دو تو مجھے تو پتہ ہی نہیں کیسے اور کہاں پر خبریں لگتی ہیں۔ میں تو بس ایسے ہی الیکٹریکل انجینئر ہوں۔ مجھے ٹیپ ریکارڈر چلانے کا بھی پتہ نہیں ہے۔ اللہ کی شان دیکھیں..... لیکن جو لوگ سنتے ہیں ان کو بڑا اندازہ ہوتا ہے وہ بس بٹن آن کر کے ایسے گھماتے ہیں کہ آواز آنے لگتی ہے کہ یہ بی بی سی لندن ہے۔ لیکن اگر اسے بی بی سی کے سٹیشن سے اسے شوشوں کی آواز سنائی دے تو وہ کہتا ہے کہ ابھی خبروں کا وقت نہیں ہوا۔ یعنی ابھی ادھر سے خبریں نشر نہیں کی جا رہی ہیں۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ ریڈیو کا بٹن بھی آن کیا جائے اور متعلقہ میڈیم ویو پرسیٹ بھی کیا جائے۔ اگر ریڈیو تو ٹھیک ہے مگر اس کو آن ہی نہیں کیا گیا یا آن کا بٹن تو دبا دیا لیکن اس کو سیٹ نہیں کیا گیا تو بھی خبریں نہیں سنی جاسکتیں۔ چنانچہ آن کرنا بھی ضروری ہے اور سیٹنگ کرنا بھی ضروری ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ درمیان کا موسم بھی ٹھیک ہو۔ جب موسم خراب ہوتا ہے تو ادھر سے خبریں آ بھی رہی ہوتی ہیں اور ادھر والا سننے کے لئے بھی تیار بیٹھا ہوتا ہے مگر درمیان میں موسم کی خرابی کی وجہ سے رکاوٹ آ جاتی ہے۔ کئی مرتبہ بعض ملکوں کے لوگ نہیں چاہتے کہ ہمارے ملک کے لوگ خبریں سنیں تو وہ درمیان میں ان خبروں کو لہروں کے ذریعے روک دیتے ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ختم نبوت کی تحریک چلی تھی، ان دنوں میں ہر شہر میں کرفیو اور بڑے ہنگامے تھے۔ ان دنوں ہم یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ ہم بھی بی بی سی کی خبریں سنتے تھے۔ کیونکہ یہاں والے تو بتاتے ہی کچھ نہ تھے کہ کیا ہوا۔ جب وہ رپورٹ کرتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ ملک میں کیا ہوا۔ ریڈیو سٹیشن والے انجینئر نے بتایا کہ ہمیں سرکار نے کہا ہے

کہ تم اس موقع پر یہاں سے ایسی لہریں بھیججو کہ درمیان میں لوگ خبریں سن ہی نہ سکیں۔ چنانچہ وہ ادھر سے خبریں بھیجنا شروع کرتے تھے اور یہ درمیان میں ادھر سے کچھ لہریں بھیج دیتے تھے جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ بی بی سی کی خبریں سن ہی نہیں سکتے تھے۔

ذکر کے معاملے میں بھی بالکل یہی مثال ہے۔ اس کے لئے بھی تین شرائط ہیں (۱)..... ایک تو یہ کہ شیخ توجہ کرے۔ یاد رکھیں کہ شیخ کی توجہ ہر وقت ہوتی ہے۔ بالخصوص جب مراقبہ کروایا جاتا ہے تو اس وقت صرف سامنے بیٹھنے والوں پر ہی توجہ نہیں کی جاتی، بلکہ پوری دنیا میں جتنے متعلقین ہوتے ہیں ان کے قلوب کو قلوب واحد سمجھا جاتا ہے اور پھر اس قلب پر توجہ ڈالی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس توجہ کی وجہ سے جو جہاں ہوتا ہے اس کو فیض پہنچا دیتا ہے۔ تو کوئی سالک یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ مجھے توجہ نہیں مل رہی۔ جب مشائخ دن میں دس مرتبہ مراقبہ کرواتے ہوں، اور خود بھی مراقبہ کرتے ہوں اور تو جہات دیتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف سے ٹرانسمیشن تو ہو رہی ہے۔

(۲)..... دوسری شرط یہ ہے کہ سالک مراقبہ میں بیٹھ کر ریسپور یعنی دل کا بٹن آن کرے۔ اگر وہ مراقبہ میں بیٹھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سوچ آن تو کرتا ہے، مراقبہ میں بیٹھ کر اس کو چاہیے کہ وہ توجہ کی سوئی کو بھی دل کے اوپر جمائے۔ یہ نہ ہو کہ جب وہ بیٹھے تو ادھر ادھر کے اوٹ پٹانگ خیالات چلنا شروع ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ریسپور کو آن تو کر دیا مگر سوئی کی سیٹنگ نہیں کی۔ حالانکہ بیٹھنا بھی ضروری ہے اور سوئی کی سیٹنگ کرنا بھی ضروری ہے۔

(۳)..... تیسرے نمبر پر شیطان درمیان والی سرکار ہے۔ یہ وساوس کی لہریں چھوڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اس فیض کو قلب میں پہنچنے سے روک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم سر جھکاتے ہیں تو اس وقت نفسانی اور شیطانی خیالات دل میں پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر عام حالت میں بیٹھیں تو

وہ خیالات نہیں آتے لیکن ذرا آنکھ جھکائی اور سوئی دل پر جمائی تو اسی وقت کوئی نہ کوئی شیطانی خیال دماغ میں گردش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ درمیان میں شیطان یہ نہیں چاہتا کہ انسان کو فیض ملے۔ اب شیطان سے پیچھا چھڑانے کا طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور اسی کے سامنے آہ وزاری کرے کہ اے مالک! میں تیرے حضور بیٹھا ہوں لیکن مجھے ٹرا لسمیشن (توجہ) نہیں مل رہی۔ اے اللہ! میرے اوپر فضل فرما۔

کریم مجھ پر کرم کر بڑے عذاب میں ہوں

کہ بیٹھا ہوں تیرے سامنے مگر حجاب میں ہوں

جب آپ اللہ تعالیٰ سے یوں مدد مانگیں گے تو دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ درمیان میں اس بدمعاش کو کیسے سیدھا کرتے ہیں۔

یاد رکھیں کہ مراقبہ اور اس کا فیض ایک سیٹ چیز ہے۔ یہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ کروڑوں انسانوں نے اس طریقہ سے فیض پایا اور اللہ کے فضل سے لاکھوں مشائخ نے ان کو فیض پہنچایا۔ اس لئے مراقبہ کرنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اگر مراقبہ کرنے سے بھی فائدہ نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان درمیان میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اب یہ نہ کریں کہ **Reception** (وصولی) نہ ہونے کی وجہ سے ریڈیو کو ہی توڑ دیں اور مراقبہ ہی چھوڑ دیں۔ کئی لوگ سوچتے ہیں کہ اصلاحی تعلق جوڑے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے لیکن مجھے فائدہ ہی نہیں ہو رہا لہذا اب ہم تعلق توڑ دیتے ہیں۔ شیطان یہی تو چاہتا ہے کہ اگر آپ تعلق توڑیں گے تو شیطان سے زیادہ اور کوئی خوش نہیں ہوگا۔ وہ تو چاہتا ہے کہ اس کو جس سے محبت کا تعلق ہے ایک دفعہ اس سے ٹوٹے پھر یہ محبت کسی اور سے نہیں ہونے دوں گا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بندے کی طبیعت ہر ایک کے ساتھ نہیں جڑتی۔ اس لئے اس تعلق کو مضبوط سے مضبوط

بنانے کی کوشش کریں۔ روزانہ ذکر بھی کریں اور اللہ سے مدد بھی مانگیں۔ اگر ان چیزوں کا خیال رکھیں گے تو آپ کو یقیناً فیض ملے گا۔ کوئی صورت ہی نہیں کہ فیض نہ ملے۔

روحانی دنیا میں ظاہری فاصلوں کی حیثیت:

یہ روحانیت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں چلانا ہے اگر ایک بندے نے شیخ سے تعلق جوڑا ہے اور اس کے بعد بظاہر دور ہونے کی وجہ سے جلدی مل نہیں سکتا تو کیا وہ وہاں بیٹھ کر روحانیت کے فیض سے محروم رہے گا؟ یہاں پر بجلی کا بٹن آن کریں تو دنیا کے دوسرے کنارے پر ایک سکیٹڈ سے بھی پہلے بلب روشن ہو جائے گا۔ اگر بجلی اتنی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے اس کو آن کر دیتی ہے تو یہ خدا کا نور اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ اس لئے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ادھر سالک نے اپنے مراقبے میں سوئی ٹکائی اور ادھر شیخ سے اس کو فیض کی لہر آئی۔ ادھر شیخ توجہ کی نیت کرتا ہے اور ادھر سالک کے دل تک توجہ پہنچ جاتی ہے۔ یہ مادی فاصلے روحانیت کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ لہذا دنیا کے کسی بھی کونے میں کوئی سالک ہو، اس کو فیض ملتا ہے۔

اگر بندہ یہ کہے کہ مجھے شیخ کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا تو پھر عورتیں تو کبھی روحانی ترقی نہیں کر سکتیں کیونکہ مل بیٹھنا تو صرف مردوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روحانیت کی دنیا میں عورتیں کبھی بھی ولیہ نہیں بن سکتیں۔ حالانکہ عورتیں بھی ولیہ بنتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ نہ وہ پیر کے سامنے بیٹھتی ہیں، نہ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی ہیں اور نہ ہی پیر کے ساتھ ان کو بہت قرب ہوتا ہے، وہ اپنے گھر میں زندگی گزار رہی ہوتی ہیں، اپنے ملک میں زندگی گزار رہی ہوتی ہیں، بیعت ہونے کے بعد وہ پیر سے کیسے فیض پاتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ پابندی کے ساتھ معمولات کرتی رہتی ہیں تو بغیر شیخ کو دیکھے اور بغیر شیخ کی محفل میں بیٹھے اللہ تعالیٰ اسی جگہ ان کے قلب میں نور پہنچاتے رہتے ہیں۔ اس

طرح عورتیں بھی ولایت کا نور پالیتی ہیں۔ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ جو کر رہے ہیں وہ پارہے ہیں اور جو نہیں کر رہے وہ اَلْاَنَّ كَالْاَنَّ (جیسے تھے ویسے ہیں)

پانے والے یوں پاتے ہیں:

آپ حضرات میں سے اس وقت کوئی لطیفہ قلب پر ہوگا..... کوئی لطیفہ روح پر ہوگا..... کوئی لطیفہ خفی یا لطیفہ اخفی پر ہوگا..... کوئی مراقبات مشاربات پر ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس وقت ہماری جماعت میں..... ایسے دوست بھی موجود ہیں جو روزانہ تین گھنٹے باقاعدگی سے مراقبہ کرتے ہیں۔

..... ایسی معلمات اور فاضلات بھی ہیں جو روزانہ تین گھنٹے مراقبہ کرتی ہیں۔

..... ایسے بھی لوگ ہیں جو کلمہ طیبہ کا ورد روزانہ تین ہزار مرتبہ کرتے ہیں۔

..... ایسے بھی لوگ ہیں جو اس کا ورد پانچ ہزار مرتبہ کرتے ہیں۔

..... کئی سات ہزار مرتبہ روزانہ کرتے ہیں۔

..... چند لوگ ایسے بھی ہیں جو دس ہزار مرتبہ تہلیل لسانی کرتے ہیں۔

..... الحمد للہ ہماری جماعت میں ایسے آدمی بھی ہیں جو چالیس ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ روزانہ پڑھتے ہیں

..... اس دور میں بھی نوجوان خط لکھتے ہیں کہ حضرت دو سال سے تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی۔

..... اس وقت مجھے خط ملتے ہیں کہ حضرت کوئی مہینہ بھی بنی D کی زیارت سے خالی نہیں گزرتا۔

..... ایک ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے مجھے اپنے حالات سناتے ہوئے بتایا کہ حضرت حدیث پاک

کے حفظ، علم اور شغف کی وجہ سے میری زندگی کا کوئی ایک ہفتہ بھی بنی علیہ السلام کی زیارت کے بغیر نہیں

گزرتا۔

پانے والوں کو یوں مل رہا ہے اور ان میں سے ایک صاحب کہتے ہیں کہ مجھے ملتا ہی کچھ نہیں ہے۔ بھائی!

آپ بھی مخلص ہیں اور شیخ بھی آپ کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، وہ بھی توجہ کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ درمیان میں شیطان وساس کی لہروں سے فیض کی ٹرانسمیشن کو روکتا ہو۔ لہذا اللہ سے مانگو۔ کیونکہ یہ قبض کی کیفیت بڑے بڑوں پر آجاتی ہے۔

قبض کی کیفیت میں بڑی آزمائش ہوتی ہے:

یاد رکھنا کہ قبض کی کیفیت میں بندے کی بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر.....

☆..... ایک مرتبہ کچھ دنوں کے لئے اللہ کے محبوب پر وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ محبوب ﷺ چاہتے تھے کہ وحی آئے لیکن پروردگار عالم نے وحی کو مؤخر فرما دیا۔ وہ مالک الملک ہے۔ اس میں بھی کوئی حکمت تھی۔ سبق دینا مقصود تھا۔ اللہ کے محبوب ﷺ کے لئے وحی کا یہ انقطاع برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان دنوں اللہ کے محبوب ﷺ کی ایسی کیفیت تھی کہ آپ فرماتے تھے کہ میرا جی چاہتا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر نیچے چھلانگ لگا دوں..... اللہ اکبر!!!

☆..... حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مرتبہ ایسا قبض طاری ہوا کہ کئی مہینوں تک باطن میں کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔ اپنی طرف سے پورا زور لگا کر بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ مصلیٰ چھوڑ کر میں بھی لوگوں کی طرح بازار میں جا کر کام کرتا ہوں تاکہ میں بھی مال و دولت کماؤں اور بیوی بچوں کو خوب کھلاؤں، یہاں سارا دن بھی بیٹھوں اور کچھ ملے بھی نہ تو اس سے بہتر ہے کہ میں جا کر کوئی کام کروں۔ یہ نیت کر کے اپنا مصلیٰ چھوڑا اور چل پڑے راستے میں ایک مسجد پر نظر پڑی۔ انہوں نے سوچا کہ نماز کا وقت کہیں نکل نہ جائے لہذا میں یہیں پر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ چنانچہ جب مسجد میں داخل ہوئے تو اس میں ایک شعر لکھا ہوا نظر آیا۔ جیسے ہی انہوں نے فارسی کا شعر پڑھا تو دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے باطن کو دوبارہ روشن کر دیا..... سبحان اللہ..... اس کے بعد ان کی ایسی طبیعت کھلی کہ اللہ

تعالیٰ نے ان پر نسبت نقشبندیہ کا ایسا فیض اتارا کہ ان سے آگے یہ سلسلہ، ”نقشبندیہ سلسلہ“ کہلانے لگا۔ ☆..... حضرت خواجہ عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے قلبی حالات بہت ہی اچھے تھے۔ بسط کی کیفیت تھی۔ میں ایک دعوت پر گیا۔ وہاں جو کھانا پیش کیا گیا وہ مشتبہ تھا۔ حرام نہیں تھا بلکہ شبہ تھا کہ کھانے میں شاید سود کی ملاوٹ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کھانے کو کھانے کے بعد میری کیفیات ختم ہو گئیں۔ میں نے اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو آکر بتایا کہ حضرت! یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اب تم پابندی کے ساتھ میرے سامنے آکر بیٹھنا، میں تو جہات دوں گا تاکہ مشتبہ کھانے کی ظلمت دور ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت میرے اوپر ایسی توجہ ڈالتے تھے کہ اگر وہ توجہ پہاڑ پر ڈالتے تو کانپ اٹھتا چالیس دن متواتر توجہ دینے کے بعد ایک دن مشتبہ لقمے کا اثر میرے اندر سے زائل ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہر بندے کو آزماتے ہیں یہ آزمائش کبھی بسط کے ذریعے ہوتی ہے اور کبھی قبض کے ذریعے۔ چونکہ ہم آزمائش کے قابل نہیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت والی نعمت ملتی ہے۔ اس راستے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے، لگے رہنا چاہیے۔ اگر کیفیت نہیں ہے تو شیخ کو بتائیں کہ جی میری یہ حالت ہے پھر شیخ جو کام کرنے کا حکم دیں وہ کرتے رہیں اور جن کاموں سے روکیں رکتے جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے دیکھیں۔ یہ باطن کو صاف کرنے والی پکی دوائیاں ہیں۔

آجکل جو بات ہم محسوس کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ دوست احباب مراقبہ اور وقوف قلبی کی کثرت نہیں کرتے اور ان دو کاموں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ روحانی طور پر کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

تَلِّينِ جَلُودًا وَرَتَلِينَ قُلُوبًا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **ثُمَّ تَلِّينِ جُلُودَهُمْ وَ قُلُوبَهُمْ اِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ** (الزمر: 23) پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

یہ تَلِّينِ جَلُودًا (جسم کے اعضا کا نرم ہو جانا) ابتدا میں حاصل ہو جاتا ہے اور تَلِّينِ قُلُوبًا (دل کا نرم ہو جانا) بعد میں حاصل ہوتا ہے۔

تَلِّينِ جَلُودًا کی مثال یہ ہے کہ ہم تو زمین پر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ مسجد کی صفوں پر بیٹھنے کے عادی ہیں لیکن فرنگی لوگ زمین پر نہیں بیٹھ سکتے۔ اس بات کا کئی مرتبہ تجربہ کیا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کی پتلون ٹائٹ ہوتی ہے بلکہ ان کے جسم بیٹھنے کے عادی ہی نہیں ہوتے۔ بے نمازی کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ ایک آدمی نے کلمہ پڑھا۔ ہم نے اس کو نماز سکھائی تو وہ رکوع سجدہ کرتے وقت کبھی ایک فٹ آگے اور کبھی ایک فٹ پیچھے ہو جاتا۔

التحیات کی شکل میں بیٹھنے کی عادت ڈال لی جائے تو پھر اس طرح بیٹھنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح پورے جسم کا وزن پنڈلیوں پر آ جاتا ہے اور خون بلاک ہو جاتا ہے جس سے باریک شریانیں بڑی ہونا شروع ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ ایک مستقل بائی پاس کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک والے دو تین گھنٹے بخاری شریف کا درس التحیات کی شکل میں بیٹھ کر دیتے تھے اور پہلو بھی نہیں بدلتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو نرم کر دیا تھا۔

ہندو جوگی اور بدھ مت کے بھکشو جب اس طرح بیٹھتے ہیں تو مہینوں اسی طرح بیٹھے رہتے ہیں جو اس

طرح بیٹھے رہتے ہیں ان کے لئے دوسری حالت میں بیٹھنا مشکل ہے۔ انگریز آلتی پالتی کی شکل میں نہیں بیٹھ سکتے۔ یا تو وہ کھڑے رہتے ہیں یا پھر کسی چیز پر بیٹھے رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے لئے مراقبہ میں گردن جھکانی مشکل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گردن ٹوٹ جائے گی۔ ارے یاد خدا میں یہ ٹوٹی ہے تو ٹوٹنے دو۔ جب عادت بن جاتی ہے تو پھر گردن جھکانا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ تلین قلوب کا آتا ہے۔ اس مرحلہ میں انسان کا دل نرم ہو جاتا ہے اور دل میں دوسرے خیالات نہیں آتے۔ ابھی ہم تلین جلوہ کے مرحلے پر نہیں پہنچے تلین قلوب کی بات کیا کرنی۔ جبکہ ایک بزرگ ایسے بھی تھے جن کو نہ تو نماز کے اندر وساوس آتے تھے اور نہ ہی نماز کے باہر۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کریں کہ وہ ہمیں یہ دونوں نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا چور دروازہ:

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دفتروں میں کام کرتے ہیں ان کے بچے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ گھر میں اور کام کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ان کو فرصت ہی نہیں ملتی۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن کے پاس تین گھنٹے وقت ہی نہ ہو وہ تین گھنٹے کیسے مصلے پر بیٹھیں۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جن حضرات کو وقت کی کمی کا عذر ہو اگر وہ وقوف قلبی کا اہتمام کر لیں گے تو جو فیض اللہ تعالیٰ مراقبہ کرنے پر پہنچاتے ہیں وہی فیض وقوف قلبی پر پہنچادیں گے۔ اب وقوف قلبی میں تو کوئی رکاوٹ نہیں

..... آپ سکول جائیں تو وقوف قلبی کر سکتے ہیں،

..... دکان پر جائیں تو وقوف قلبی کر سکتے ہیں،

..... دفتر میں جائیں تو وقوف قلبی کر سکتے ہیں۔

حتیٰ کہ آپ بیوی کے ساتھ تنہائی میں وقت گزار رہے ہیں تو اس وقت بھی وقوف قلبی کر سکتے ہیں۔ مراقبہ کرنے کے لئے انسان یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں بوڑھا ہوں اور زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا لیکن وقوف قلبی کے لئے تو بیٹھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ آپ بیٹھے ہیں..... لیٹے ہیں..... کھڑے ہیں..... لیکن وقوف قلبی کر سکتے ہیں۔ وقوف قلبی میں آپ نے فقط دل کی توجہ اللہ کی طرف رکھنی ہے۔ یہ کام مرد بھی کر سکتا ہے..... عورت بھی کر سکتی ہے..... بوڑھا بھی کر سکتا ہے..... بچہ بھی کر سکتا ہے..... صحت مند بھی کر سکتا ہے..... بیمار بھی کر سکتا ہے..... وقوف قلبی کے لئے کوئی عذر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی ہے تو صرف اپنے نفس کی خرابی اور غفلت ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ وقوف قلبی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا چوہدری ورازہ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہ نقشبند یہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا طریقہ مانگا ہے جو یقیناً موصل ہے..... کیا مطلب؟..... مطلب یہ کہ جو بندہ نقشبند یہ طریقے کے اسباق پر چلے گا اسے یقیناً اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہوگا اور دوسری بات ارشاد فرماتے ہیں کہ اس طریق میں سالک کی اپنی سستی کے سوا کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان خود وقوف قلبی میں سستی نہ کرے تو اس راستے میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں۔ ہر بندے کی ترقی ہوتی ہے اس لئے آپ اپنے دل میں نیت اور ارادہ کر لیں کہ آج کے بعد ہم کثرت سے ذکر کریں گے، چاہے مراقبہ کی شکل ہو چاہے وقوف قلبی کی شکل میں، مگر اللہ تعالیٰ کو دن کا زیادہ حصہ اپنے دلوں میں یاد کریں گے۔

براہ راست خطاب میں لذت:

اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں سے براہ راست خطاب کرنا بہت بڑی بات ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھتے کہ اگر کسی ادارے کا چیف ایگزیکٹو کسی چپڑاسی کو بلا کر خود اس سے بات کرے تو یہ اس کے لئے بڑی عزت کی

بات ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہماری نسبت اس سے بھی کم ہے۔ ہم تو وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو چپڑ اسی کو چیف ایگزیکٹو کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک نوکر ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کی ملک میں ہیں اور مالک کا اپنی ملک پر بہت زیادہ اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ہم جیسوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ براہ راست کوئی بات فرمائیں تو بہت بڑی بات ہے۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تورات میں براہ راست بات کہی تو اس پر وہ لوگ اتنے خوش تھے کہ وہ کہا کرتے تھے۔

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (المائدہ: 18) ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بڑے پسندیدہ بندے ہیں۔

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ براہ راست خطاب فرمایا تو وہ اتنے خوش ہوئے کہ اس طرح کی باتیں کرنے لگے، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اٹھاسی (۸۸) مرتبہ **يَا أَيُّهَا**

الَّذِينَ آمَنُوا (الانفال: 45) کے ذریعے ایمان والوں سے براہ راست خطاب فرمایا۔ اس طرح یہ اس

امت کا اعزاز ہے، یہ اس امت پر اللہ کی رحمت ہے، ہم جیسے فقیروں پر یہ اللہ رب العزت کی خصوصی مہربانی ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی بندہ قرآن مجید

میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** (الانفال: 45) کے الفاظ پڑھے تو اس وقت بہت ہی توجہ کے ساتھ بیٹھے، کیونکہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اپنا حکم سنارہے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی ان مقامات پر توجہ سے بیٹھنا

چاہیے کہ ہمارے مالک ہمیں کیا حکم فرما رہے ہیں۔ جہاں کثرت ذکر کا حکم ہے وہاں شروع میں بھی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (الانفال: 45) کے الفاظ ہیں۔ اس لئے ہمیں اس پر بھی توجہ کے ساتھ غور کرنا چاہیے

کہ ہمارے مالک ہم سے کیا چاہتے ہیں۔

ہر حال میں ذکر کرنے کا طریقہ قرآن کی روشنی میں:

کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے انسان کو اللہ کے ذکر کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔ کثیر اس کام کو کہتے ہیں جو زیادہ حصے میں ہو یعنی جو آدمی دن میں آدھے سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارے گا وہ ذکر کثیر کرنے والا ہوگا اور اگر آدھے سے کم وقت ذکر کرے گا تو قلیل ذکر کرنے والا شمار ہوگا۔ اب ہم دن میں پچاس فیصد سے زیادہ وقت نہ مسجد میں بیٹھ سکتے ہیں اور نہ ہی مصلے پر بیٹھ سکتے ہیں، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ! یہ کام تو ہمارے لئے مشکل ہے۔ ہمارے لئے یہ بات قابل عمل نہیں ہے۔ قابل عمل تو وہ کام ہوتا ہے جو بندہ کر بھی سکے۔ اس صورت میں گھر کیسے چلائیں گے، دفتر کیسے چلائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ ہم مصلے پر بیٹھ کر تسبیح ہی پھیرتے رہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ تو کام کاج میں مصروف ہوں اور ہمارے دل اس پروردگار کی یاد میں مصروف ہوں۔ اس کو کہتے ہیں ”ہتھ کارول دل یارول“..... فارسی میں اسی بات کو یوں کہتے ہیں..... دست بکار دل بیار..... یعنی بندہ ہاتھوں سے تو کام کر رہا ہو اور دل میں اللہ رب العزت کو یاد کر رہا ہو..... اگر کثرت ذکر کا یہ معنی ہو تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو میرے اچھے بندے ہیں ان کی پہچان یہ ہے کہ

رِجَالٌ لَا تُلْهِهِمُْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور: 37) میرے وہ بندے جن کو تجارت اور خرید و فروخت میری یاد سے غافل نہیں کرتی۔

اب تجارت میں تو آدمی کے ہاتھ بھی مشغول ہوتے ہیں، دماغ بھی مصروف ہوتا ہے اور کان بھی مشغول ہوتے ہیں۔ یہ دل کا ذکر ایسا ذکر ہے جو تجارت اور خرید و فروخت کے وقت بھی کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ایسی

حالت میں لسانی ذکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرض کریں کہ کسی بندے کی کپڑے کی دکان ہو اور کوئی گاہک کپڑا خریدنے کے لئے آئے اور وہ آکر کہے کہ کیا آپ کپڑا بیچیں گے اور یہ آگے جواب میں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، میرے ایسے بندے بھی ہیں جو تجارت کے وقت بھی اللہ کو نہیں بھولتے لہذا میں تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ وہ پوچھے گا کہ کیا آپ نے کپڑا بیچنا ہے اور یہ کہے، اللہ اللہ..... وہ پوچھے گا کہ کتنے دام میں بیچو گے۔ اور یہ کہے، اللہ اللہ..... وہ پوچھے کہ اس طرح کی کوئی اور رائٹی بھی ہے اور یہ کہے، اللہ اللہ..... وہ ہر بات کے جواب میں اللہ اللہ کا لفظ سن کر کہے گا..... جھلا جھلا جھلا..... اور واپس چلا جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد لسانی ذکر نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم زبان سے گفتگو کریں مگر دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد رکھیں۔ اور انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیت دی ہے کہ وہ ایک وقت میں دو کام کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی طالب علم کالج میں فرسٹ آجائے تو اسے چوبیس گھنٹے یہی خیال رہتا ہے کہ میں فرسٹ آیا ہوں۔ حالانکہ وہ کھا رہا ہوتا ہے، پی رہا ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں سے بات کر رہا ہوتا ہے مگر ساتھ ساتھ یہ خیال آرہا ہوتا ہے کہ میں فرسٹ آیا ہوں۔ گویا انسان کی یادداشت میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ کام کاج کرتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے اور جو واقعہ بہت اہم ہو وہ اس کے ذہن میں بار بار آتا ہے۔ ایک آدمی کار پر سفر کر رہا تھا۔ قدرتا آگے ایک سیڈنٹ ہوا۔ گاڑیاں ٹکرائیں اور بندے زخمی ہوئے اور کچھ فوت ہو گئے۔ اس نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اب وہ منظر اس کی یادداشت میں پرنٹ ہو گیا۔ اس کے بعد اگرچہ وہ ڈرائیونگ کر کے اپنے گھر کی طرف جا رہا ہوتا ہے مگر وہ ایک سیڈنٹ کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے۔ جب گھر پہنچتا ہے تو بیوی بچوں کو ایک سیڈنٹ کی تفصیل بتاتا ہے۔ کھانا کھانے کے دوران بھی اسے اسی ایک سیڈنٹ کا خیال آرہا ہوتا ہے۔ اگلے دن

دفتر جانا ہے تو اپنے باس کو بھی ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اسے کوئی دفتر کا ساتھی ملنے آتا ہے تو وہ اسے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتاتا ہے، وہ دفتر میں کام بھی کر رہا ہوتا ہے مگر وہ ایکسیڈنٹ کو بھی یاد کر رہا ہوتا ہے۔ شام کو کھانا کھانے کے لئے بیٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں کیا کروں مجھے تو یہ بات بھولتی ہی نہیں ہے۔ کسی بھی بات کو یاد رکھنے کا یہ طریقہ ذکرِ قلبی کہلاتا ہے۔ یعنی بندے کے ہاتھ تو کام کاج میں مصروف رہیں اور اس کا دل اللہ کی یاد میں مصروف رہے۔ اس طرح ہم چوبیس گھنٹے ذکر کر سکتے ہیں۔ جن کو کسی بندے سے نفسانی، شہوانی اور شیطانی محبتیں ہوتی ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ میں تو آپ کو بھولتا ہی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ بھولنا بھی چاہیں تو ایک دوسرے کو بھلا نہیں سکتے۔ اسی لئے تو شاعر نے کہا:

روز کہتا ہوں بھول جاؤں انہیں روز یہ بات بھول جاتا ہوں

اللہ تعالیٰ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرے بندے کے دل میں میری ایسی ہی بات بیٹھ جائے۔ انسان دنیا میں کھانا پینا، سونا جاگنا، لیٹنا، جو بھی کام کر رہا ہو، کرے مگر اس کے دل میں میری یاد رہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو انسان آسانی سے کر سکتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے اللہ ہم آپ کو یاد تو کرنا چاہتے ہیں مگر کس حالت میں یاد کریں تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (ال عمران: 191) وہ بندے جو اللہ کو

کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

اب ایک بندے کی کتنی حالتیں ہو سکتی ہیں؟..... یا تو کھڑا ہوگا، یا بیٹھا ہوگا، اور یا وہ لیٹا ہوگا..... یہ تین حالتیں ہی ہوتی ہیں، ہاں اگر کوئی مارشل آرٹس کا سپیشلسٹ ہو تو وہ کسی چوتھی صورت میں بھی کھڑا ہو سکتا

ہے۔ عام بندہ تو ان تین حالتوں میں ہی رہ سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو تینوں حالتوں میں مجھے یاد رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ مجھے ہر حال میں یاد رکھے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ (الاعراف: 205) اور تم ذکر کرو اپنے رب کا اپنے دل میں۔

اپنے دل میں..... اپنے من میں..... اپنی سوچ میں..... اپنے دھیان میں..... اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ ذکر کا یہ طریقہ بڑا آسان ہے۔ کیونکہ اس میں زبان استعمال نہیں ہوتی۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا، زبان کا کام ہے بولنا، کان کا کام ہے سننا، دماغ کا کام ہے سوچنا، اور دل کا کام ہے یاد کرنا۔ لہذا دل یہ کام ہر وقت کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کرنے والا کام ہے۔ پہلے اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے۔ اگر وہ کر لی جائے تو انسان بڑے آرام سے ذکر کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ ذکر ممکن ہے اسلئے ہمارے مشائخ نے فرمایا..... جو دم غافل سو دم کافر..... کہ جو لمحہ بھی اللہ سے غفلت میں گزر گیا، ایسا ہی ہے جیسے وہ لمحہ کفر کی حالت میں گزر گیا۔ ہمارے مشائخ کو ذکر میں وہ حالت نصیب ہو جاتی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کو نہیں بھولتے۔

گو میں رہا رہیں ستم ہائے روزگار لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

ایسے بندے کی زندگی کتنی پاکیزہ ہوتی ہے جو چوبیس گھنٹے اپنے رب کو یاد کرتا ہے۔ ہاں اگر سو جائے تو اور بات ہے۔ بلکہ وہ سوتا بھی اللہ کے ذکر میں ہے اور جب جاگتا ہے تو بھی اللہ کے ذکر میں جاگتا ہے۔

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

پھر تجر پڑھنی مشکل نہیں ہوتی بلکہ خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔

کثرت ذکر سے دو نعمتوں کا حصول:

ہر چیز کی تاثیر ہوتی ہے۔ کثرت کے ساتھ ذکر کرنے میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ نے لکھا کہ کثرت ذکر سے انسان کو دو نعمتیں نصیب ہوتی ہے۔

(۱) قوت ارادی (Determination Power)

(۲) اپنی قوت کو ایک جگہ مرکوز کرنا (Power of Concentration)

(۱) قوت ارادی اور اس کے ثمرات:

جو بندہ کثرت کے ساتھ ذکر کرتا ہے اس کے اندر ڈٹرمی نیشن پاور یعنی قوت ارادی بڑھ جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ قوت ارادی انسان کے اندر ایک ایسی طاقت ہے جو اسے کام نمٹا دینے کے لئے جرأت دے دیتی ہے۔ اس کے ذریعے انسان دین اور دنیا کے ہر میدان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور جس بندے کے اندر ڈٹرمی نیشن پاور نہیں ہوتی اس بندے کو زندگی کے کسی میدان بھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ڈھل مل یقین ہوتا ہے یعنی اس کے اندر کوئی کام کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں

کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

ایسا طالب علم جس میں قوت ارادی نہیں وہ امتحان میں فیل ہو جاتا ہے..... ایسا بزنس مین جس میں قوت ارادی نہیں وہ بزنس میں فیل ہو جاتا ہے..... اور ایسا شادی شدہ آدمی جس میں قوت ارادی نہیں وہ ازدواجی زندگی میں فیل ہو جاتا ہے..... تو قوت ارادی اس جذبے کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان

منزل پر پہنچنے کے لئے پورا زور لگا دیتا ہے۔ یاد دوسرے لفظوں میں قوت ارادی وہ ڈرائیونگ فورس ہے جو بندے کو منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے کسی نے شعر کہا۔

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

فرزانہ اسے کہتے ہیں جو عقل کے زور پر فاصلہ طے کرے۔ فرزانے راستے سے واپس پلٹ آتے ہیں اور جو دیوانہ وار منزل کی طرف سفر کر رہے ہوتے ہیں وہ منزل تک پہنچ جاتے ہیں، باقی سوچ میں ہی رہتے ہیں۔ ہم پنجابی میں کہتے ہیں۔

”سوچی پیاتے بندہ گیا“

یہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر قوت ارادی نہیں ہوتی۔

ایک ماہر نفسیات کی تحقیق:

ایک ماہر نفسیات گزر رہے اس کا نام فرائیڈ تھا۔ اس کی وفات 1934ء میں ہوئی۔ اس کی ساری زندگی ہیومن سائیکالوجی میں سٹڈی (مطالعہ) کرتے گزر گئی۔ وہ پوری دینا کا بڑا ماہر نفسیات سمجھا جاتا ہے۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک بات لکھی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی نعمتیں دی ہیں ان میں سے سب سے بہترین نعمت قوت ارادی ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ

”قوت ارادی ہی وہ قوت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی مائینس (ناکامی) کو اپنی پلس (کامیابی) بنا لیتا ہے۔“

یعنی

..... اپنی شکست کو اپنی فتح میں تبدیل کر لیتا ہے،

..... ناموافق حالات کو موافق حالات بنا لیتا ہے،

..... نفرتوں کو محبتوں سے بدل دیتا ہے،
..... غم کو خوشیوں میں تبدیل کر لیتا ہے۔

ایک طالب علم کی کامیابی:

جو طالب علم آج رو رہا ہوتا ہے کہ میں فیل ہو گیا، اگر وہ اپنی ڈٹرمی نیشن پاؤر استعمال کرے اور آئندہ سال پڑھے تو وہ پورے کالج میں ٹاپ بھی کر سکتا ہے۔ میرے پاس ایک طالب علم آیا۔ اس کے والد صاحب شوگر مل کے ڈائریکٹر تھے۔ وہ میرے بہت مہربان دوست تھے۔ اس طالب علم کو کرکٹ وغیرہ کا شوق تھا۔ اس نے پڑھنے میں دلچسپی نہ لی جس کی وجہ سے وہ فیل ہو گیا۔ اس کے والد صاحب بڑے پریشان تھے۔ انہوں نے کہا میں ڈائریکٹر ہوں اور جب میں لوگوں کو بتاتا ہوں کہ میرا بچہ فیل ہو گیا ہے تو میرا دل تو کرتا ہے کہ میں زمین میں گر جاؤں۔ ایسے سٹیٹس (عہدہ) والوں کو محسوس بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کروں۔ میں نے کہا کہ اسے میرے پاس بھیج دینا۔ انہوں نے بچے کو بھیج دیا۔ میں نے جب اس طالب علم کو دیکھا تو مجھے وہ بہت ہی ذہین نظر آیا۔ اس کا آئی کیو بہت اچھا تھا۔ چونکہ لا ابالی عمر تھی اس لیے اس نے پڑھائی میں دلچسپی نہ لی اور مار کھا گیا۔ میں نے اسے ایک دو دن اپنے پاس رکھا، اسے سمجھایا اور **Motivate** کیا، میں نے اسے گرمایا کہ فیل ہو کر انسان کا سر نیچا ہوتا ہے اور اگر آپ پاس ہو جاتے تو خوشیوں کے ہار پہنائے جاتے۔ اگر آپ پاس ہوتے تو مبارکبادی کے الفاظ سنتے اور اب آپ جھڑکیوں کے الفاظ سن رہے ہیں۔ جب اس کو اس انداز سے بات سمجھائی تو وہ کہنے لگا کہ جی میں اب پڑھوں گا۔ خیر ہم نے اس کو پڑھنے کا طریقہ بھی سمجھا دیا۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ جب اس نے آئندہ سال امتحان دیا تو وہ پورے سکول میں ٹاپ کر گیا۔ اس کو اپنی مائینس کو اپنی پلس میں تبدیل کرنا کہتے ہیں۔ کہاں گھر کے لوگ بھی اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے کہ یہ فیل کیوں ہوا

اور کہاں پورے کالج کے استاد اور طلباء سب اس کو خوشیوں کے ساتھ مل رہے تھے اور اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہے تھے۔

دینی میدان میں کامیابی:

اگر دین کے میدان میں ناکام ہو یعنی اس کی نگاہ اس کے قابو میں نہ ہو..... اس کی زبان قابو میں نہ ہو..... وہ بد نظری بھی کرتا ہو..... جھوٹ بھی بولتا ہو..... وہ لوگوں کے ساتھ دھوکا بھی کرتا ہو..... وہ بد دیانتی بھی کرتا ہو۔ وہ شرابی بھی ہو..... اور زانی بھی ہو..... حتیٰ کہ جو برے کام آپ کہہ سکتے ہیں وہ سب کچھ کرتا ہو..... وہ بندہ ناکامی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی قوت ارادی استعمال کرے اور سچی توبہ کر کے نیکی کے راستے پر چلے تو اتنا برا بندہ بھی آنے والے وقت کا ولی بن سکتا ہے۔ فضیل بن عیاضؓ ڈاکوؤں کے سردار تھے، جب ان کی زندگی کا رخ بدلا تو وہ نیکی کی طرف اتنا بڑھے کہ اپنے وقت کے بڑے بڑے اولیاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جو ڈاکوؤں کے سردار تھے وہ قوت ارادی کی وجہ سے آنے والے وقت میں ولیوں کے سردار بن گئے۔ گویا انہوں نے اپنی ناکامی کو اپنی کامیابی میں بدل کر دکھا دیا۔

ازدواجی زندگی میں کامیابی:

اگر کوئی بندہ ازدواجی زندگی کے دوران اپنے گھر پر توجہ نہیں دیتا، وہ دوسری عورتوں میں دلچسپی لیتا ہے اور غصے کا تیز ہے، حتیٰ کہ طلاق ہونے کے قریب ہے۔ وہ بندہ بھی اگر سوچ لے کہ میں نے اپنے گھر کو چلانا ہے تو کامیاب طریقے سے چلا سکتا ہے۔ ایک دفعہ کراچی میں میرے پاس ایک جوڑا آیا، دونوں بیعت تھے اور پڑھے لکھے بھی تھے۔ وہ کہنے لگے، حضرت! ہم اپنی زندگی کے بارے میں آپ سے ایک مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا، بتائیں۔ کہنے لگے کہ ہم ایک دوسرے سے جدائی اختیار کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم نے سوچا کہ ہم اپنے والدین کو بتانے سے پہلے آپ کو بتادیں کیونکہ آپ ہمارے روحانی شیخ

ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا بڑا سوچا سمجھا فیصلہ ہے۔ بیوی طلاق لینے پر راضی تھی اور میاں طلاق دینے پر راضی تھا۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ نے تو مجھے ابھی بتایا ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے اس ارادے کو چھ ماہ تک مؤخر کر دیں اور جیسے میں آپ کو گائیڈ کروں اس کے مطابق یہ چھ مہینے گزاریں۔ اس دوران میں اگر آپ کی آپس میں بن گئی تو الحمد للہ، ورنہ پھر والدین کو بتا دینا۔ وہ اس تجویز پر آمادہ ہو گئے۔

اس کے بعد میں نے ان سے جب بات چیت کی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان کی اس پریشانی کی اصل وجہ کیا ہے۔ مریض تو بتاتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور ادھر درد ہے لیکن ڈاکٹر کو بیماری خود سمجھنی پڑتی ہے۔ یہ روحانی میدان بھی ایسا ہی ہے کہ آنے والا تو باتیں کر رہا ہوتا ہے مگر بین السطور پڑھنا پڑتا ہے کہ اس مسئلہ کی اصل وجہ کیا ہے۔ خیر، اس عاجز نے اصل وجہ ڈھونڈ لی کہ اس وقت ملکی سطح پر اقتصادی حالات اچھے نہیں تھے۔ ان دنوں ہڑتالیں چل رہی تھیں، حکومت کہتی تھی کہ ٹیکس جمع کراؤ اور دکاندار کہتے تھے کہ ہم نے اس کے فارم جمع نہیں کروانے، غالباً ایک مہینے تک دکانداروں نے اپنی دکانیں بند رکھیں۔ اس دوران اس کا بھی یہی حال تھا۔ اس کا کاروبار ایسا تھا کہ اسے پیمنٹ بہت کرنی ہوتی تھیں، اس کی دکان بند رہتی تھی اور پیمنٹ لینے والے فون پہ فون کر رہے تھے۔

جب وہ سارا دن دکان میں پریشانی میں وقت گزار کر واپس گھر آتا تو وہ گھر میں بھی پریشان رہتا۔ وہ دنوں اپنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ اس کی بیوی اس کے آنے سے دو گھنٹے پہلے کھانا پکا کر خاوند کے انتظار میں بیٹھ جاتی کہ میرا میاں صاحب آئے گا اور میں اس کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤں گی۔ جبکہ میاں صاحب بچھے ہوئے چراغ کی طرح آتا۔ بیوی کی چاہت تھی کہ میاں خوشی خوشی گھر میں آئے۔ وہ اسے اسی ویولینتھ پر دیکھنا چاہتی تھی جس پر وہ خود ہوتی تھی۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس تھا۔ نہ تو وہ

دلچسپی کے ساتھ کھانا کھاتا اور نہ ہی وہ بیوی کے پاس بیٹھ کر بات چیت کرتا۔ چنانچہ بیوی نے یہ نتیجہ نکالا کہ میں اس کو پسند نہیں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو یہ میرے ساتھ بولتا ہے اور نہ ہی وقت گزارتا ہے۔ جب بیوی کے ذہن میں یہ خیال آتا کہ یہ مجھے پسند نہیں کرتا تو فوراً اسے دوسرا خیال آتا کہ وہ باہر کسی کو پسند کرتا ہوگا۔ چنانچہ اسے خاوند پر غصہ آتا اور وہ اس کے ساتھ بات بات پر الجھ پڑتی۔ وہ دونوں نوجوان تھے۔ ان کی ساری ساری رات چچ چچ میں گزر جاتی تھی اور ان کی چونچیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ جب کئی مہینے گزر گئے تو بیوی نے سوچا کہ اب اس مصیبت سے جان چھڑانے میں عافیت ہے اور خاوند نے بھی کہا کہ جب میں گھر آتا ہوں تو بہت پریشان ہوتا ہوں۔ ان وجوہات کی بنا پر ان دونوں نے طلاق کے ذریعے علیحدہ ہونے کا پکا فیصلہ کر لیا۔

میں نے انہیں کہا کہ آپ چھ مہینے تک اپنے فیصلے کو مؤخر کریں اور میں آپ کو جو تجویز دوں گا اس کے مطابق رہیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ اب ہم نے ان کے لئے ایک انوکھا علاج تجویز کیا۔ میں نے اس نوجوان کو سمجھایا کہ آپ کی زندگی میں نبیؐ کی ایک سنت غائب ہے اور آپ اس پر عمل نہیں کر رہے، اس ترک سنت کی وجہ سے آپ کی زندگی میں بے برکتی ہے۔ اس نے کہا، جی آپ مجھے بتائیں۔ میں نے کہا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبیؐ جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو کھلے اور مسکراتے چہرے کے ساتھ آتے تھے اور اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے۔ یہ سنت تمہارے اندر نہیں ہے۔ اس نے کہا، ہاں میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ میں نے اسے کہا کہ آپ کے کاروبار کے جو مسائل ہیں ان سب کو دکان کی حد تک رکھا کرو اور گھر آتے ہوئے فریش (تازہ دم) ہو کر آیا کرو۔ اس میں بیوی کا کیا قصور ہے کہ تمہارا کاروبار نہیں چلتا۔ میں نے اس نوجوان کو سمجھایا کہ تم قوت ارادی سے کام لو، کاروبار میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے، یہ تو اچھی بات نہیں ہے کہ کاروبار میں نقصان ہو جائے تو گھر والوں کی کم بختی

آجائے۔ تم گھر میں خوشی کی زندگی گزارو، اپنے اندر ڈٹرمی نیشن پاؤ اور پیدا کرو اور چھوٹی موٹی کی بوٹی نہ بنو۔ کیا آپ چھوٹی موٹی کی بوٹی جانتے ہیں؟ ہمارے علاقے میں ایک پودا ہوتا ہے۔ اس کا نام ہے **Touch me not** (ٹچ می ناٹ)۔ نام رکھنے والے نے بھی کمال کا نام رکھا۔ اگر اسے کوئی بندہ ہاتھ لگا دے تو اسی وقت اس کے پتے بند ہو جاتے ہیں اصل میں وہ تھرمل لیول سے **Sensitive** (حساس) پودا ہے۔ جب ہاتھ لگنے سے اسے گرمی پہنچتی ہے تو اس کے سارے پتے بند ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ کملا جاتا ہے، اس لئے اس کا نام رکھا ہوا ہے، ٹچ می ناٹ (مجھے ہاتھ مت لگاؤ)۔

اس نے کہا، جی میں آپ کی اس تجویز پر ضرور عمل کروں گا۔ پھر میں نے کہا کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے لئے ایک دوا بھی ہے۔ اس نے کہا جی وہ کیا دوا ہے؟ میں نے کہا کہ دوا یہ ہے کہ جب تم گھر آیا کرو تو بیوی کو سلام کر کے اس کا بوسہ بھی لیا کرو۔ وہ اس ٹرپ کو سمجھ نہ سکا۔ لیکن چونکہ میں نے کہا تھا اس لئے کہنے لگا، جی حضرت! عمل کروں گا۔

پھر اس کی بیوی کو سمجھایا کہ جب نبی ﷺ گھر میں تشریف لایا کرتے تھے تو ازواجِ مطہرات خوش ہو کر ان کا استقبال کرتی تھیں۔ وہ جہاں بھی بیٹھی ہوتی تھیں وہ آگے آ کر نبی ﷺ کا استقبال کرتی تھیں۔ وہ اللہ کے محبوب ﷺ کو خوش مزاجی اور محبت سے دیکھا کرتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ کا خاوند گھر میں آئے تو آپ بھی اسے محبت و پیار کی نظر سے دیکھا کریں۔ اس نے بھی کہا جی ٹھیک ہے۔ لیکن اصل بات میں نے خاوند کو بتائی۔ وہ دونوں یہ نسخہ لے کر چلے گئے۔ میں نے ان کو چھ ماہ کا کہا تھا لیکن تیس دن کے بعد ان کا فون آیا کہ حضرت! ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ تیس دن ہنی مون کی طرح گزارے ہیں۔..... بھئی جب خاوند مسکرا کے بیوی کو دیکھے اور بیوی کا بوسہ بھی لے اور بیوی بھی پازیٹو (مثبت) موڈ میں ہو تو پھر وقت اچھا کیسے نہیں گزرے گا۔ ان کے پہلے والے جھگڑے ختم ہو گئے اور محبت و پیار والی زندگی

شروع ہوگئی۔ وہ میاں بیوی، جو کہتے تھے کہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہونے کے لئے تیار ہیں، چالیس دنوں کے بعد وہ کہتے تھے کہ جتنا خوش رہ کر ہم وقت گزار رہے شاید ہی پوری دنیا میں کوئی جوڑا اتنا خوش وقت گزار رہا ہوگا..... تو یہ قوت ارادی وہ نعمت ہے جو انسان کی ناکامی کو کامیابی میں بدل دیتی ہے۔

صبر اور برداشت کی قوت:

قوت ارادی ہی انسان کو صبر اور برداشت سکھاتی ہے۔ جب قوت ارادی نہیں ہوتی تو بندے کے اندر برداشت ہی نہیں ہوتی۔ جیسے گاڑی کی بریک نہ ہو تو وہ دوسروں سے ٹکراتی ہے اسی طرح جس بندے کے اندر صبر نہ ہو وہ دوسرے بندوں سے الجھتا ہے۔ کبھی بیوی سے الجھے گا، کبھی باس سے الجھے گا، کبھی پڑوسی سے الجھے گا اور کبھی ہوا سے الجھ رہا ہوگا۔

ایک مثال ذرا غور سے سننا۔ ایک درخت پھلوں، پھولوں اور پتوں سے لدا ہوا ہے۔ وہ سرسبز ہے اور دیکھ کر بندے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ اس درخت کے اوپر جب خزاں کا موسم آ جاتا ہے تو پھل بھی اس پر نہیں رہتے، پھول بھی ختم ہو جاتے ہیں اور پتے بھی جھڑ جاتے ہیں اور وہ ٹنڈ ٹنڈ لکڑی کی طرح نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اب آگے سردی کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ تیخ ہوائیں آرہی ہوتی ہیں، طوفان چل رہے ہوتے ہیں اور وہ صبر کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔ اس درخت کو پتا ہوتا ہے کہ اگر میرے اوپر بہار کا موسم نہیں رہا تو یہ خزاں کا موسم بھی ہمیشہ نہیں رہے گا، لہذا مجھے صبر کے ساتھ کھڑا ہونا ہے۔ اب وہ درخت خشک لکڑی کی طرح کھڑا ہوتا ہے۔ اس پر برف پڑ رہی ہوتی ہے، تیخ ہوائیں چل رہی ہوتی ہیں، بریزر ڈ آتا ہے تب بھی صبر کے ساتھ کھڑا رہتا ہے۔ اس کا چند مہینے کا صبر اللہ تعالیٰ کو پسند آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سردی کے موسم کو دوبارہ بہار کے موسم میں بدل دیتے ہیں اور اسی لکڑی نما درخت کے اندر سے کونپلیں پھوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد اس پر پتے آ جاتے ہیں، پھول آ جاتے ہیں، اور پھل آ جاتے

ہیں۔ اس طرح وہ دوبارہ ہرا بھرا درخت بن جاتا ہے..... جب درخت کے اندر اتنا صبر ہے تو کیا انسان اس طرح صبر نہیں کر سکتا۔ اگر ہمیں بھی کبھی ناموافق حالات میں رہنا پڑے تو صبر سے رہنا چاہیے۔ ہم تو صبر نہیں کرتے۔ ہم تو ایسے ہیں جیسے ہمارے ساتھ کیل لگے ہوئے ہیں، ایک ادھر کو مارا اور دوسرا ادھر کو مارا۔ جیسے کانٹے دار تار ہوتی ہے۔ لوگ اس سے دور ہی رہتے ہیں۔ ہمارا یہی حال ہے۔ لوگ ہم سے دور ہی رہتے ہیں۔ نہ ہمیں بیٹھنے کا طریقہ آتا ہے، نہ بات کرنے کا سلیقہ ہے، نہ معاملات کا طریقہ آتا ہے اور نہ ہی لین دین کا پتہ ہے، ہم اللہ کے بندوں کے لئے وبال جان بنے ہوتے ہیں..... نہ ماں راضی، نہ باپ راضی، نہ بیوی راضی، نہ بچے راضی، نہ دوست راضی..... پھر خدا کیسے راضی ہوگا؟ اس لئے کہ ہمارے اندر قوت ارادی ہی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے کسی کی بات برداشت ہی نہیں ہوتی۔ کبھی اس پر تنقید کر رہے ہوتے ہیں کبھی اس کے عیب نکال رہے ہیں۔ جب ہمارا حال یہ ہوگا تو ہمیں کون اچھا سمجھے گا۔ یہ سب چیزیں ہمارے اندر اس لئے ہوتی ہیں کہ ہمارے اندر قوت ارادی نہیں ہوتی اور ہم اپنے نفس کو لگام نہیں دے پاتے۔ پھر ہمارا نفس منہ زور گھوڑے کی مانند ہوتا ہے جو ہمیں بھگا کر جہاں چاہے لے جاتا ہے ہم اس کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہم زندگی میں ناکام ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس کو قوت ارادی کے ذریعے سے کنٹرول کریں تو ہم اپنی مرضی کی منزل پر پہنچ جائیں گے۔

ہمت بڑھانے کا ایک دلچسپ واقعہ:

مشرقی پاکستان میں ہمارے ایک دوست تھے۔ ملک کی تقسیم سے پہلے اللہ نے ان کو بہت مال و دولت سے نوازا تھا۔ ان کے وہاں پر درجنوں کے حساب سے پیٹرول پمپ اور گیس اسٹیشن تھے۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا مال دیا ہوا تھا جب واپڈا کے انجینئر کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپیہ ہوتی تھی۔ ہم نے اپنی زندگی میں وہ وقت دیکھا ہے۔ ان دنوں ایک کمپنی متعارف ہوئی۔ اس نے اپنے ملازمین کی تنخواہ

اڑھائی سو روپیہ کر دی تو ہم حیران ہو کر یونیورسٹی میں تذکرہ کرتے تھے کہ اس کمپنی میں اڑھائی سو روپے تنخواہ ہو گئی ہے۔ اس وقت ہمارا ہوٹل میں ماہانہ خرچ پچیس روپے ہوا کرتا تھا۔ وہ باتیں اب خواب کی طرح لگتی ہیں..... ہمارے اس دوست کا ایک ملازم تھا جو اس کے دو لاکھ روپے لے کر بھاگ گیا۔ آج کے دو کروڑ سے بھی زیادہ سمجھیں۔ اللہ کی شان کہ وہ ایسا بندہ تھا کہ جب وہ بھاگنے والا ملازم پیسے ادھر ادھر برباد کر کے واپس آ گیا تو وہ رونے دھونے لگا کہ جی میرے بچے ہیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی، آپ مجھے معاف کر دیں، تو اس نے اس کو نہ صرف معاف ہی کر دیا بلکہ اسے دوبارہ نوکری پر بھی بحال کر دیا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ کتنا امیر آدمی ہوگا۔

جب ملک تقسیم ہوا تو یہ بندہ کراچی میں اس طرح سے اپنی بیوی کو لے کر اتر آ کہ بیوی کے سر پر فقط دوپٹہ تھا اور کچھ نہیں تھا۔ یہاں اس کا ایک بھائی رہتا تھا لہذا اس کے گھر آ گیا مگر اس کے ذہن پر پریشتر تھا۔ اس کے اربوں کھربوں روپے ڈوب گئے۔ جو بنکوں میں تھا وہ بھی گیا اور جو ویسے تھا وہ بھی گیا۔ رات کو امیر تھا اور جب صبح کو اتر تو غریب تھا۔ ایک پیسہ بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے یہ بات خود بتائی کہ اس وقت میرے ذہن پر بہت پریشتر تھا۔

اس کی بیوی نہایت ہی پرہیزگار اور سمجھ دار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس صورت حال میں اگر خاوند ڈپریشن میں چلا گیا تو یہ مینٹل کیس ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند کی ہمت بڑھاتی رہی۔ اس نے بتایا کہ جب ہم بھائی کے گھر میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو میری بیوی نے بات چھیڑ دی کہ میں عورت ذات ہوں، میں تو بہت ہی کمزور ہوں اور اس وجہ سے بہت ہی پریشان ہوں لیکن میرے خاوند کے سینے میں ایسا شیر کا دل ہے کہ انہوں نے تو اس پریشانی کو ہاتھوں کی میل بنا کر اڑا دیا ہے۔ اب جب میری بیوی ایسی باتیں کرتی تو میں اندر اندر میں شرمندہ ہوتا کہ میں مرد ہوں، مجھے تو اپنے اندر ہمت پیدا کرنی

چاہیے۔ بیوی نے ایک دو دن میں باتیں کر کے مجھے سہارا دے دیا۔ وہ مجھے کہنے لگی کہ پریشان تو عورتیں ہوتیں ہیں لیکن نہ میں پریشان ہوں اور نہ ہی آپ کو پریشان کر رہی ہوں لیکن مجھے پکا یقین ہے کہ ہمارا رزق اللہ کے ذمہ ہے، جو پروردگار ہمیں اُس ملک میں رزق دے رہا تھا وہی پروردگار ہمیں اِس ملک میں بھی رزق دے گا۔ وہ یہاں بھی کم رزق نہیں دے گا۔ بس آپ ذرا قدم آگے بڑھائیں۔ چنانچہ میں نے اللہ کے توکل پر قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے بھائی سے قرض لے کر چلانے کے لئے ایک ٹرک بنایا۔ اور اسپچلانا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے رزق تو پہنچانا ہی تھا۔ ٹھیک پانچ سال کے بعد میں سینکڑوں ٹرکوں کی کمپنی کا مالک بن گیا۔

اہل اللہ کی قوت ارادی:

یہ قوت ارادی کثرتِ ذکر سے ملتی ہے۔ آدمی جتنا زیادہ ذکر کرتا ہوگا اس کے اندر ڈٹرمی نیشن پاور بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ آپ آزما کر دیکھ لیں۔ آپ روزانہ آدھا گھنٹہ بیٹھ کر ذکر کریں تو پھر آپ کو کوئی کام بھی کرنا مشکل نظر نہیں آئے گا۔ اگر آپ نے ارادہ کر لیا کہ آج رات میں نے جاگنا ہے تو ضرور جاگیں گے..... اگر آپ نے ارادہ کر لیا کہ میں نے زبان سے جھوٹ نہیں بولنا تو نہیں بولیں گے..... اگر آپ نے ارادہ کر لیا کہ آنکھ غیر محرم کی طرف نہیں اٹھانی تو نہیں اٹھائیں گے۔ جو نوجوان آکر کہتے ہیں کہ حضرت! ہم یہ اعمال بھی نہیں کر سکتے اور یہ اعمال بھی نہیں کر سکتے، وہ اصل میں کثرتِ ذکر نہیں کرتے جس کی وجہ سے۔ ان کا اپنے اوپر کنٹرول بھی نہیں ہے۔

اہل اللہ کے اندر قوت ارادی بہت ہی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ قوت ارادی ہی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حرام نہیں کھاؤں گا اور وہ رک جاتے ہیں، میں حرام کام نہیں کروں گا اور وہ رک جاتے ہیں، میں خلافِ شرع کام نہیں کروں گا اور وہ باز آجاتے ہیں۔ یہی قوت ارادی ان کو تہجد کے وقت جگا دیتی ہے۔ کیا عام لوگوں

کو تھکاوٹ ہوتی ہے اور اللہ والوں کو تھکاوٹ نہیں ہوتی؟ ان کو بھی ہوتی ہے۔ کیا لوگوں کو ادھر ادھر کی میٹھی اور چٹ پٹی چیزیں کھانے کو جی چاہتا ہے تو کیا اللہ والوں کا جی نہیں چاہتا؟ ان کا بھی جی چاہتا ہے مگر وہ اپنے نفس کو بے لگام نہیں چھوڑتے۔ جیسے گھوڑے کا سوار گھوڑے کی لگام کو گس کے رکھتا ہے کہ یہ میری مرضی کے راستے پر دوڑے اور اسے وہ اپنی مرضی کے خلاف راستے پر دوڑنے نہیں دیتا، اسی طرح سالک اپنے نفس کے گھوڑے کو شریعت کی لگام ڈال دیتا ہے تاکہ یہ شریعت کے راستے پر دوڑے اور اس سے ہٹ کر نہ بھاگے۔

اللہ تعالیٰ کو بلند ہمت لوگوں سے محبت ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے ”اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کو پسند فرماتے ہیں“

علامہ اقبال نے کہا:

مجت مجھے ان جانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کند
قوت کو مرکز کرنے کے ثمرات:

کثرت ذکر سے جو دوسری نعمت ملتی ہے وہ ہے ”اپنی قوت کو ایک جگہ پر مرکوز کرنا“ اس کو پاور آف کنسنٹریشن (توجہ کو مرکز کرنے کی طاقت) کہتے ہیں۔ یعنی بندہ جو کام کر رہا ہو وہ اپنی پوری توانائی اس کام پر صرف کر دے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ آج کل یہ بیماری بہت عام ہے کہ لوگ جو بھی کام کرتے ہیں ادھورے دل سے کرتے ہیں، پورے دل و دماغ سے نہیں کر رہے ہوتے، فقط سطحی نظر سے کرتے ہیں۔ چنانچہ طالب علم کو پڑھائی کے سوا ہر کام اچھا لگتا ہے۔ باپ چلتا ہوا کاروبار اپنے بیٹے کے حوالے کرتا ہے اور بیٹا اسے برباد کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بیٹے کی اس میں دلچسپی ہی نہیں ہوتی..... اس کی دلچسپی ہوتی ہے دوستوں میں..... اس کی دلچسپی ہوتی ہے کھیلوں میں..... اس کی دلچسپی

ہوتی ہے عورتوں میں..... اس لئے وہ کاروبار کیسے کرے۔ یعنی جو کام جس کے ذمے لگائیں وہ اس کام میں سو فیصد دل و دماغ سے لگتے ہی نہیں ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ اس کام کو پوری طرح کر ہی نہیں پاتے۔ اگر ایسے حالات میں کنسنٹریشن کی نعمت مل جائے تو کام آسان ہو جائے۔ پھر آدمی اسی کے بارے میں سوچتا ہے اور محنت بھی کرتا ہے۔ اپنی قوت کو ایک جگہ مرکوز کر لینے سے انسان بہت زیادہ کام کر سکتا ہے۔

ہمیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی طرف دھیان مرکوز کریں، یہ کتنا مشکل ہے..... کیا ہم ایسا کر پاتے ہیں؟ ہم یقیناً ایسا نہیں کر پاتے۔ تو نہ کر سکتا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ کتنا کتنا عرصہ مراقبہ کرتے گزر جاتا ہے لیکن یہ چیز نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے پھر پورا فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اپنی قوت کو مرکوز کر لیا جائے تو مشکل ترین کام بھی آں واحد میں ہو جاتے ہیں۔

پانی کی دھار سے کٹنگ:

قوت کو مرکوز کرنے کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اگر پانی کی ایک پتلی سی دھار بنائی جائے اور اس کو پوری قوت کے ساتھ نکالا جائے تو وہ اتنی تیز ہوتی ہے کہ جس طرح چھری انسان کے جسم کو کاٹ دیتی ہے اسی طرح پانی کی وہ دھار بھی انسان کے جسم کو کاٹ سکتی ہے۔ ایک جگہ پر میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ لوگ پانی سے کٹنگ کر رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ پانی سے کٹنگ کیسے ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ پانی کی دھار مالیکیول لیول سے بھی چھوٹی بنا دی جاتی ہے، جب وہ ڈالتے ہیں تو جسم کے اندر سے ایسے گزر جاتی ہے جیسے کپاس کے اندر سے چھری گزر جاتی ہے۔ اگر پانی کی دھار ایک دفعہ بندے پر چلا دیں تو جیسے بندہ گولی سے مر جاتا ہے اسی طرح وہ پانی کی دھار سے مر جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو ایک جگہ پر مرکوز کیا گیا اور نتیجہ نکل آیا۔

بڑے بڑے پتھر توڑنا:

اچھا، مارشل آرٹس کے اسپیشلسٹ بڑے بڑے پتھر کیسے توڑتے ہیں؟ ان کے اندر قوتِ ارادی کو مرکوز کرنے کا ملکہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسے کام کر جاتے ہیں کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔ ہم نے ایک مرتبہ ایک چائینیز آدمی کو دیکھا، اس نے ٹنڈ کروائی ہوئی تھی۔ وہ ایک جگہ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے لوگوں نے اس کے سر پر کنکریٹ کا بنا ہوا موٹا سا ایک بلاک رکھ دیا۔ پھر ایک نوجوان نے پورے زور سے تیس کلوگرام کا ایک موٹا سا ہتھوڑا اس کے سر کے اوپر مارا۔ کنکریٹ کا بلاک تو دو ٹکڑے ہو گیا مگر اس کے سر کو کچھ بھی نہ ہوا اور وہ نیچے آرام سے بیٹھا رہا۔ ہم یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ ٹنڈا بالکل محفوظ رہا..... میں نے اس کا وہ ہتھوڑا اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تو مجھ سے ایک ہاتھ سے وہ ہتھوڑا اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔

ایک بوڑھے کی بھینسے سے لڑائی:

جاپان میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ وہ مارشل آرٹس کا اسپیشلسٹ تھا۔ اس کے کلب کی پہچان یہ تھی کہ وہاں جو بھی جاتا تھا وہ زخمی ہو کر آتا تھا۔ مگر وہ سکھاتا ایسا تھا کہ ماہر بنا دیتا تھا۔ اس کے کلب میں بے پناہ رش ہوتا تھا۔ وہ تھا تو بوڑھا لیکن جوانوں کو مارتا تھا۔

آخری عمر میں اس نے انسانوں سے لڑنا ہی چھوڑ دیا۔ بندوں کی بجائے وہ بھینسے سے لڑتا تھا۔ لوگ فل جوان بھینسا رنگ کے اندر لے آتے اور وہ بوڑھا بندہ اندر جا کر بھینسے کے ساتھ لڑتا۔ اب بتائیں کہ بھینسے کے ساتھ بندے کا لڑنا کیسا ہے؟ مزے کی بات یہ ہے کہ آخری وقت میں جب ذرا اور زیادہ ماہر ہو گیا تو وہ تین سٹروک میں بھینسے کو ناکارہ بنا دیتا تھا۔ وہ کرتا کیا تھا؟..... وہ کرتا یہ تھا کہ سفید کپڑا لے کر بھینسے کے سامنے کھڑا رہتا اور بھینسا اسے مارنے کے لئے بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے پاس پوری

قوت کے ساتھ آتا۔ جیسے ہی بھینسا اس کے سامنے آتا تو یہ اس کے سامنے سے بڑی پھرتی کے ساتھ ایک طرف کو ہٹ جاتا اور ہٹ کر بھینسے کے سینگ کے اوپر ایک زوردار سٹروک لگاتا تو اس کا پورا سینگ ہی ٹوٹ کر نکل جاتا۔ اس طرح بھینسے کا خون نکلتا تو وہ اور زیادہ خونخوار بن جاتا۔ پھر دوسری طرف سے پلٹ کر بھینسا دوبارہ آتا۔ جب بھینسا دوبارہ اس کی طرف آتا تو یہ اس کے سامنے سے ہٹ کر دوسری طرف کو ہو جاتا اور دوسرے ہاتھ سے دوسرے سینگ پر سٹروک مارتا، اس سے اس کا دوسرا سینگ بھی ٹوٹ جاتا۔ پھر جب بھینسا تیسری مرتبہ اس کی طرف آتا تو اس وقت بھینسے کا غصہ دیکھنے والا ہوتا تھا۔ وہ اتنا غصے میں آتا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر اس کو ہٹا دے لیکن جیسے ہی وہ آتا تو یہ ایک طرف ہو کر اس کو آگے گزرنے دیتا اور پھر اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایک زبردست سٹروک لگاتا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی اور بھینسا وہیں بیٹھ جاتا۔ اس کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔

آپ حیران ہوں گے کہ اس نے ایسا کیسے کیا۔ اس نے اپنی طاقت کو ایک جگہ مرکوز کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس لئے مارشل آرٹس والے فن کے ساتھ ساتھ میڈیٹیشن بھی سکھاتے ہیں کیونکہ اس سے بندے میں قوت ارادی کو ایک جگہ استعمال کرنے کی طاقت آجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طاقت کو ایک جگہ پر مرکوز کرنا ایک عجیب ہی نعمت ہے۔ اہل اللہ سے جو بڑی بڑی کرامتیں صادر ہوتی ہیں وہ ان کی قوت ارادی اور سوچ کی قوت کو مرکوز کرنے کی بناء پر صادر ہوتی ہیں۔ پیناٹزم اپنی قوت ارادی کو مرکوز کرنے کا ہی نام ہے۔

پیناٹزم کا ایک کرتب:

میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس وقت یہاں جھنگ میں ایک سرکس آئی بڑے بھائی ہمیں سرکس دکھانے کیلئے لے گئے۔ ہم نے زندگی میں کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کو ہم ہاتھی

بھی دکھائیں گے اور مداری بھی دکھائیں گے۔ اس عمر میں مداری وغیرہ بہت اچھے لگتے ہیں۔ چونکہ میں چھوٹا سا تھا اس لئے میں جا کر ہاتھی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کی اتنی لمبی سوئڈ ہوتی ہے۔ مجھے اس وقت پتا چلا جب اس نے اپنی سوئڈ میرے ساتھ لگائی۔ یہ تو اس کا بھلا ہے کہ اس نے کچھ نہ کیا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ سوئڈ جو پہلے لٹک رہی تھی وہ یکدم میرے سامنے آگئی، اس وقت میں گھبرا کر تھوڑا سا پیچھے ہٹا۔ پھر مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی سوئڈ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ چونکہ ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ ہاتھی دیکھا تھا اس لئے اس کو ہم بڑے حیران ہو کر دیکھتے رہے۔

اس سرکس میں ہم نے پیناٹرم کا ایک شو دیکھا۔ ایک بوڑھے آدمی نے پیناٹرم کا کرتب سکھایا۔ وہ بڑا عجیب کرتب تھا۔ اٹھارہ بیس سال کی ایک جوان لڑکی تھی۔ وہ ایک دروازے سے بھاگی ہوئی آئی۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کے دو نیزے تھے۔ وہ ان کو ہاتھ میں لے کر سب کو دکھاتی پھر رہی تھی۔ وہ نیزے آگے سے اتنے تیز تھے کہ ہمارے قریب ایک آدمی بیٹھا تھا، اس نے ان کو چیک کرنے کیلئے ہاتھ لگایا تو اس کے ہاتھ سے خون نکل آیا۔ وہ دکھا بھی یہی رہی تھی کہ دیکھو یہ آگے سے کتنے تیز ہیں۔ جب اس نے وہ نیزے سارے مجمع کو دکھا دیئے تو ایک اونچی سی جگہ پر آکر وہ کھڑی ہو گئی۔ اب وہ بوڑھا میاں آیا اور اس نے آکر اس کی طرف دیکھا اور کچھ پڑھنے لگا۔ وہ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔..... میں کون؟..... عامل..... تو کون؟..... معمول..... وہ اس کی طرف برابر دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کو غشی آنے لگی۔ اب اس بوڑھے آدمی نے اس کی ایک بغل میں ایک نیزہ دے دیا اور دوسری بغل میں دوسرا۔ اور لڑکی جب وہ نیزے دکھا رہی تھی تو اس وقت اپنی بغلیں بھی دکھا رہی تھی کہ میری بغلوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ لڑکی پہلے تو سیدھی کھڑی تھی، اس کے بعد نیزوں پر آگئی۔ یوں اسکا پورا وزن ان دونوں نیزوں کے

اوپر آگیا۔ پھر وہ کچھ پڑھتا رہا، پڑھتا رہا۔ جب وہ اچھی طرح سے بے ہوش ہوگئی تو اس بوڑھے نے اس کے نیچے سے وہ دو تین فٹ اونچی لکڑی نکال لی جس پر وہ کھڑی تھی۔ ہم بہت حیران ہوئے۔ اب وہ لڑکی دونوں نیزوں کے اوپر لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنا عمل کرتا رہا۔ پھر اس نے ایک عجیب کام کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور اس کی ایک طرف کو اٹھا کر اس کے نیچے سے ایک نیزہ نکال دیا۔ پھر ایک نیزے کے اوپر پوری لڑکی لٹکی ہوئی تھی..... سائنس پڑھنے والے آج تو اس بات کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ہم تو اس وقت بچے تھے اس لئے ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں تھی۔ البتہ ہمیں یہ عجیب سا لگ رہا تھا کہ اس کی ایک بغل کے نیچے نیزہ اور اس کے اوپر ہوا میں پوری لڑکی لٹکی ہوئی ہے۔

اس کے بعد وہ پھر پڑھتا رہا۔ بالآخر اس نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور اس کو ہوا میں ہی سیدھا کر دیا۔ اب وہ ہوا میں یوں لیٹی ہوئی تھیں جیسے کوئی لڑکی بیڈ کے اوپر لیٹی ہوتی ہے۔ یہ اس کے کرتب کا آخری مرحلہ تھا۔ چنانچہ وہ دو چار منٹ تک اسی طرح ہوا میں لٹکی رہی اور وہ بندہ اسے دیکھتا رہا اور تالیاں بجتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس کو پھر اسی طرح واپس کیا اور وہ ایک نیزے پر لٹکنے لگی، پھر اس نے دوسرا نیزہ نیچے لگایا۔ پھر اس کے بعد اس نے کچھ پڑھا، پھر اس کے نیچے لکڑی رکھ دی۔ پھر اس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی بندہ بے ہوشی سے باہر آتا ہے۔ اسے اتنا پسینہ آیا ہوا تھا کہ اس کے پورے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے۔ اس کے کپڑے بھی پسینے سے شرابور ہو چکے تھے۔ اس وقت وہ ہم سے پانچ سات فٹ کے فاصلے پر تھی۔ پھر دو عورتیں آئیں اور وہ اس کو پکڑ کر لے گئیں۔ وہ اتنی تھک چکی تھی کہ اس کے لئے پاؤں اٹھانے بھی مشکل ہو رہے تھے۔ یہ ہینا ٹرم کا کرتب میں نے اپنی زندگی میں خود دیکھا۔

اچھا، جب اس نے لڑکی کو ہوا میں لٹا دیا تو اس وقت مجھے اپنے والد صاحب کی ایک بات یاد آگئی۔ انہوں

نے ایک دفعہ جادو گروں کا ایک واقعہ سنایا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ یہ جادو گر تماشا نیوں کی آنکھوں پر جادو کرتے ہیں، حقیقت میں وہ چیز ایسی نہیں ہوتی جیسی نظر آرہی ہوتی ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب مجھے ابا جان کی وہ بات یاد آئی تو میں اپنی آنکھوں کو ملنے لگا کہ مجھے یہ دھوکا ہو رہا ہے یا واقعی ایسے ہی ہے۔ یہ واقعی ایسا ہی تھا کہ وہ لڑکی ایک نیزے کے اوپر لیٹی ہوئی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟..... یہ ایسے ہوا کہ اس بندے نے اپنی قوت کو ایک جگہ پر یکجا کر کے اس کو دوسرے پر لاگو کرنا سیکھ لیا تھا۔ لہذا اس نے اس لڑکی کو اپنی نظر کے سہارے پر رکھا ہوا تھا۔

جب ہم یونیورسٹی میں پڑھتے تھے تو ان دنوں ہم سید زوار حسین شاہ کی خدمت میں کراچی حاضر ہوئے۔ حضرت سید زوار حسین شاہ ایک بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ میں نے ان کو یہ واقعہ سنا کر عرض کیا، حضرت! میں نے یہ واقعہ خود دیکھا ہوا ہے لیکن مجھے آج تک اس کی حقیقت کی سمجھ نہیں آئی۔ حضرت نے فرمایا! یہ کوئی جادو نہیں ہے بلکہ اس بندے نے یہ سب کچھ اپنی قوت ارادی کو مرکوز کرنے کی وجہ سے کیا۔ بس، یہی میرا کرتب تھا

اس کے بعد حضرت نے خود ایک واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ انڈیا میں ایک آدمی نے شو دکھایا۔ اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ میں ٹھیک چھ بجے آکر آپ کو شو دکھاؤں گا۔ ٹائم طے تھا، بہت سارے لوگ جمع ہو گئے۔ چھ بجے بھی نہ آئے۔ بلکہ دس منٹ اوپر ہو گئے مگر وہ بندہ نہ آیا۔ جب کچھ دیر کے بعد وہ آدمی آیا تو اس نے سلام کیا اور کہنے لگا، چونکہ ابھی وقت نہیں ہوا، پندرہ منٹ باقی ہیں، اس لئے میں اب جاتا ہوں اور میں اپنے صحیح وقت پر آؤں گا۔ لوگوں نے کہا جی وقت تو ہو گیا ہے۔ اس نے کہا، نہیں آپ اپنی گھڑیاں دیکھ لیں۔ جب لوگوں نے اپنی گھڑیاں دیکھیں تو واقعی سب کی گھڑیوں پر پونے چھ بج رہے تھے۔ جب تک

وہ وہاں کھڑا رہا سب کی گھڑیوں کی سوئیاں پونے چھ پر ہی رہیں۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ
 ”بس یہی میرا کرتب تھا، السلام علیکم“۔

ٹی وی سکرین پر ایک کرتب:

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر بھی حضرت سید زوار حسین شاہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب
 حضرت سے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا، حضرت! میں آپ کو اس سے بھی عجیب بات سناتا ہوں۔
 حضرت نے فرمایا، سناؤ۔ انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ انگلینڈ میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں ٹی
 وی پر آپ کو ایک کرتب دکھاؤں گا۔ چنانچہ اسے ٹی وی پر کرتب دکھانے کی اجازت دے دی گئی۔ جب
 وہ کرتب دکھانے سے فارغ ہوا تو اس نے آخر میں کہا کہ پورے ملک میں جو بندہ بھی ٹی وی دیکھ رہا
 ہے، وہ اپنے ہاتھ میں لوہے کی کوئی چیز پکڑ لے۔ یہ سن کے کسی نے چیخ پکڑا، کسی نے کانٹا پکڑا، کسی نے
 چھری وغیرہ پکڑ لی۔ جیسے ہی اس نے لوہے کی چیز پکڑنے کو کہا تو اس کے بعد چند سیکنڈ کے اندر اندر جس
 کے ہاتھ میں جو چیز تھی، وہ ٹیڑھی ہو گئی۔ پورے ملک کے لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا۔ دنیا حیران تھی کہ اس
 نے ٹی وی سکرین پر بیٹھ کر یہ کہا مگر اس کی توجہ اتنا کام کر رہی تھی کہ پورے ملک میں جس نے جو چیز اس
 کے کہنے پر پکڑی تھی وہ ٹیڑھی ہو گئی۔ پھر لوگوں نے اس پر مقدمہ بھی درج کر دیا کہ آپ نے ہمارا یہ
 نقصان کیا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے آپ سے صرف یہ کہا تھا کہ پکڑیں، یہ تو نہیں کہا تھا
 کہ ٹیڑھا کریں۔

اس سے پتہ چلا کہ انسان اپنی قوت ارادی کو مرکوز کر کے بہت سے عجیب و غریب کام کر سکتا ہے۔ انسان
 آخر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ صفات رکھی ہیں لیکن ہمیں ان صفات کو آزمانا
 نہیں آتا۔

گناہگاروں پر اہل اللہ کی توجہ کا اثر:

اللہ والے بھی قوتِ ارادی کو ہی اپنے متعلقین پر استعمال کرتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ گناہوں میں پھنسے نوجوان اللہ والوں کی صحبت میں آتے ہیں اور تھوڑی سی دیر بیٹھتے ہیں، وہ ظاہر میں کرتے بھی کچھ نہیں، بس معمولی سی ایک دو باتیں کر کے ان کو واپس بھیج دیتے ہیں اور ان کے دلوں کی حالت بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ واپس جا کر نیک بن جاتے ہیں۔ یہ دراصل ان کی وہی توجہ پڑ رہی ہوتی ہے جس کو قوتِ ارادی کہتے ہیں۔ پھر وہ توجہ دل کے اوپر اثر دکھا رہی ہوتی ہے۔

احادیث سے ثبوت:

احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ ایک نوجوان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے فلاں گناہ کی اجازت دے دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو سمجھایا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ سمجھانے کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اس کو عادی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس ہاتھ رکھنے کا ایسا اثر ہوا کہ میرے دل میں جتنی نفرت اس گناہ سے پیدا ہوگئی اتنی نفرت کسی اور گناہ سے نہیں تھی۔..... یہ کیا چیز تھی؟..... یہ سبلی توجہ تھی کہ محبوب خدا ﷺ نے سینے پر ہاتھ رکھا اور سینے سے سب میل کچیل نکال کر رکھ دی۔..... یہی نعمتیں اللہ والوں کے سینوں میں منتقل ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ان سے کرامات صادر ہوتی ہیں۔ چونکہ ہم کبھی کثرت سے ذکر نہیں کرتے اس لئے ہماری زندگی میں ایسے واقعات پیش نہیں آتے۔

ہماری نمازوں کی کیفیت:

ابھی ہمیں اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جب ہم نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو نماز کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا۔ جب یہ صلاحیت ہمارے اندر پیدا ہو

جائے گی اور ہم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں گے تو نماز ہی کی طرف دھیان ہوگا۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا، حضرت! کیا آپ کو نماز میں دنیا کا خیال آتا ہے؟ تو وہ فرمانے لگے، نہ تو مجھے نماز کے اندر دنیا کا خیال آتا ہے اور نہ ہی نماز کے باہر آتا ہے..... ماشاء اللہ..... جب اس طرح توجہ کے ساتھ کوئی آدمی اللہ رب العزت کے حضور فریاد کر دے اور مانگے تو اس کو کہتے ہیں

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاَهُ (النمل: 62) بھلا کون ہے جو بیقرار کی پکار کو سنتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ایسے مضطرب بندے کی فریاد کو ضرور قبول کرتے ہیں۔ ہمیں دراصل توجہ مرکوز کرنی نہیں آتی۔ اس لئے ہماری زبان میں تاثیر نہیں، کلام میں تاثیر نہیں، اور نماز کے اندر خوبی نہیں۔ ہمارے حالت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور گلی کوچوں بازاروں میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا،

”قرب قیامت میں تم دیکھو گے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی مگر ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی ہوں گے۔“

ایک امام صاحب تھے۔ انہوں نے چار رکعت کی نیت باندھی اور دو رکعت کے بعد سلام پھیر بیٹھے۔ ان کو شک بھی گزرا۔ لہذا انہوں نے مقتدیوں سے پوچھا کہ کیا میں نے دو رکعت نماز پڑھی ہے یا چار رکعت؟۔ ان میں سے کوئی بھی یقین سے کہنے والا نہیں تھا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک طرف ایک بوڑھے میاں بیٹھے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ پکی بات ہے کہ ہم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں لہذا آپ دوبارہ پڑھائیں۔ امام صاحب نے دوبارہ چار رکعتیں پڑھائیں اور دل ہی دل میں خوش ہوئے کہ چلو پوری جماعت میں ایک آدمی تو ایسا ہے جس کو یقین سے پتا تھا کہ ہم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ چنانچہ نماز

کے بعد امام صاحب نے ان کا شکر یہ بھی ادا کیا اور اسے کہا کہ یہ آپ پر اللہ کی رحمت ہے کہ نماز میں آپ کی توجہ نماز کی طرف ہی ہوتی ہے۔ پھر امام صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتہ تھا کہ میں نے دو رکعتیں ہی پڑھائی ہیں؟ وہ صاحب کہنے لگے، قاری صاحب! اصل میں میرے چار بیٹے ہیں، میں ہر رکعت میں ایک بیٹے کے کاروبار کا حساب کرتا ہوں، آج میں نے ابھی دو کا حساب کیا تھا کہ آپ نے سلام پھیر دیا، ابھی دو کا حساب باقی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے چار رکعتیں نہیں پڑھائیں بلکہ دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔..... چونکہ نماز میں ہماری حالت یہی ہوتی ہے اس لئے ہمیں ایسی نمازوں کی وجہ سے برکات اور کمالات حاصل نہیں ہو رہے۔

ایک قرآنی فیصلہ:

ایک قرآنی فیصلہ ہے کہ

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت: 45) بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور فحش اور منکر کاموں سے بچتے بھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں نماز ہی نہیں پڑھتے۔ اگر ہماری نماز واقعی نماز ہوتی تو قرآنی گواہی ہے کہ یہ انسان کو فحش کاموں سے روک دیتی ہے۔ جب نہیں رک رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری یہ دوائی اثر والی دوائی نہیں ہے۔ ہم ایسی نماز کیسے پڑھیں جو ہمیں فحش کاموں سے روک دے۔ اس کے لئے توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ چیز اللہ والے سکھاتے ہیں۔ ان کی دعاؤں اور صحبت سے انسان کو یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

غیر اللہ کے خیال سے خالی نماز پڑھنے کا واقعہ:

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ وہ بڑے موحد عالم تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے یہ حدیث مبارکہ پڑھی کہ اگر بندہ دو رکعت ایسی پڑھے کہ جس میں اسے نماز سے باہر کا کوئی خیال بھی نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سب گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔ یہ حدیث پڑھنے کے بعد میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ میں بھی ایسی دو رکعتیں پڑھوں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دو رکعت پڑھنے کی نیت کی لیکن نماز سے باہر کا خیال آ گیا۔ اس کے بعد میں ہمت کر کے بار بار دو رکعت پڑھتا رہا لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی خیال آتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ میں نے سو رکعتیں پڑھیں اور میں عاجز ہو کر بیٹھ گیا اور سوچ میں پڑ گیا کہ یا اللہ! ایسی نماز پڑھنا کتنا مشکل ہے کہ سو رکعتوں میں سے مجھے دو رکعتیں بھی ایسی نصیب نہ ہوئیں۔ فرماتے ہیں کہ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں اپنی یہ کیفیت اپنے شیخ کو بتاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، حضرت! میں نے تو سو رکعتیں پڑھی ہیں مگر ان میں سے دو رکعتیں بھی ایسی نہیں پڑھ سکا۔ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم رات کو اپنی چار پائی ہمارے قریب بچھانا۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے۔ چنانچہ عشاء کے بعد میں نے اپنی چار پائی حضرت کی چار پائی کے قریب بچھا دی۔ جب تہجد کا وقت ہوا تو میں اٹھا۔ حضرت نے فرمایا، اٹھ گئے ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ اس کے بعد مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ پھر حضرت نے فرمایا، جاؤ اللہ کے لئے وضو کرو۔ میں وضو کر کے آیا مگر میں نے زندگی میں ایسا وضو کبھی نہیں کیا تھا..... اللہ کی طرف دھیان..... توجہ..... عجیب کیفیت..... اور طبیعت کے اوپر رقت طاری تھی۔ فرماتے ہیں کہ جب میں آیا تو حضرت نے پوچھا، وضو کر لیا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ فرمانے لگے، جاؤ اللہ کے لئے دو رکعت پڑھو۔ انہوں نے جو اللہ کا لفظ بولا تو اس کی وجہ

سے میرے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جیسے ہی میں نے دو رکعت کی نیت باندھی، رونا شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ میں پوری نماز میں روتا رہا اور یوں سمجھ رہا تھا کہ میں اللہ کے حضور سامنے کھڑا ہوں.....

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ تصور جمانا ممکن نہ ہو تو یہ خیال کر لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

..... کے مصداق پوری نماز پڑھی۔ جب میں نے سلام پھیرا تو اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں نے نماز مکمل کر لی ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے دل میں سوچا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری زندگی کی پہلی نمازوں میں سے کوئی ایک نماز بھی نماز کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

بعد میں حضرتؒ نے بلا کر پوچھا کہ تم نے نماز کیسے پڑھی۔ میں نے عرض کیا، حضرت! میں نے ایسے نماز پڑھی کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، اس کے سوا کوئی خیال ہی نہیں تھا۔ پھر پوچھا کہ نماز کے بعد کیا کیفیت تھی۔ میں نے عرض کیا کہ نماز کے بعد یہ خیال تھا کہ میری پہلی نمازوں میں سے تو کوئی نماز بھی قبول نہیں ہوئی۔ حضرتؒ نے جواب دیا کہ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی نماز ہو کر تھی۔ وہ ایسی ہی نمازیں پڑھتے تھے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو غیر کا کوئی خیال نہیں آتا تھا اور جب پڑھ لیتے تھے تو یہ کیفیت ہوتی تھی کہ میری نماز تو قبول ہونے کے قابل ہی نہیں ہے۔

اس لئے ہمارے مشائخ کہتے ہیں کہ بیعت ہونے کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ سالک اپنے شیخ کی خدمت میں اس نیت کے ساتھ آئے کہ حضرت! مجھے اولیاء اللہ جیسی نماز پڑھنا سکھا دیجئے۔ آج کل تو دم چھو کے لئے بیعت کرتے ہیں۔ کبھی پانی دم کروا لیا کبھی کھجوریں دم کروا لیں اور کبھی کوئی نذرانہ پیش کر دیا، بس یہیں پر پیری مریدی ختم ہو جاتی ہے۔ پیری مریدی کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا بندہ جس

نے اپنے مشائخ کی صحبت میں رہ کر ایسی نماز پڑھنا سیکھی ہم بھی اس کی خدمت میں جا کر بیٹھیں اور یوں کہیں کہ حضرت ہمیں بھی اولیاء اللہ جیسی نماز پڑھا دیجئے۔ آج تو اصل مقصد کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ نہ سیکھنے والوں کی اور نہ سکھانے والوں کی۔

سائنسدانوں میں توجہ مرکوز کرنے کی قوت:

اچھا، یہ بتائیں کہ دنیا میں جو سائنسدان بنتے ہیں وہ کیسے بنتے ہیں؟..... وہ اپنی توجہ کو ایک چیز پر مرکوز کرتے ہیں۔ وہ توجہ کو مرکوز کرتے کرتے اتنی گہرائی تک چلے جاتے ہیں جہاں عام بندہ نہیں جاسکتا۔ اس طرح وہ سائنسدان بن جاتے ہیں اور نئی نئی چیزیں دریافت کرتے رہتے ہیں۔ ہر بندہ تو نئی چیزیں دریافت نہیں کر سکتا۔ وہ اس لئے دریافت نہیں کر پاتا کہ اس کا دماغ وہاں نہیں پہنچ پاتا۔ اور اس کا دماغ وہاں تک اس لئے نہیں پہنچ پاتا کہ وہ اپنی توجہ مرکوز کرنا نہیں جانتا۔ اگر ہم اپنی توجہ کو مرکوز کر لیں تو ہم جو کام بھی شروع کریں گے اس کام میں کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا توجہ کو مرکوز کرنا:

یہ توجہ کو مرکوز کرنا ہی تو تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جہاد میں اتنا مشغول ہوتا تھا کہ میں نماز میں کھڑے ہو کر بھی جہاد کی صفوں کو درست کر رہا ہوتا تھا۔ اقامت دین کی کوششوں کا ان پر اتنا غلبہ تھا کہ جہاد کرتے ہوئے تو جہاد ہی کر رہے ہوتے تھے لیکن نماز میں بھی ان کا دھیان اسی طرف تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان کا یہ عمل چونکہ اپنے نفس کے لئے نہیں تھا بلکہ اللہ کے لئے تھا اس لئے ان کا نماز کے اندر جہاد کی صفوں کا درست کرنا بھی ان کی نماز ہی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی یکسوئی عطا فرمادے تو پھر کیا ہی کہنے۔

یکسوئی کی یہ طاقت انسان کو کثرتِ ذکر سے ملتی ہے۔ چنانچہ کثرتِ ذکر کرنے والے..... اگر طلباء ہیں تو

تعلیم میں کامیاب..... اگر کاروباری ہیں تو کاروبار میں کامیاب..... اگر کسی اور کام میں لگے ہوئے ہیں تو اس کام میں کامیاب۔ چونکہ ان کے اندر یکسوئی ہوگی اس لئے وہ جس کام میں بھی لگیں گے اللہ تعالیٰ اسی طرح کے مشورے اور باتیں ان کے ذہن میں ڈالتے جائیں گے۔

طب یونانی کے مفقود ہونے کی وجوہات:

پہلے وقتوں میں جو طب ہوتی تھی وہ ساری اسی قوت ارادی کی وجہ سے ہوتی تھی۔ اب تو جو اصل طب یونانی تھی وہ چلی گئی ہے۔ اس میں دو طرح کی غلطیاں ہوئیں۔

(۱) حکومت کی غلطی: حکومت نے یہ غلطی کی کہ اس نے اطباء کی سرپرستی نہ کی۔ اگر حکومت ان کے لئے

کالج بناتی، بڑے بڑے طبیوں کو رکھا جاتا، ریسرچ ورک ہوتا، اس کی ڈاکو مینٹس بنیں اور لوگوں میں نسخے پھیلتے تو یہ علم آج لوگوں میں اس طرح چل رہا ہوتا جیسے اب ہو میو پیٹھک کی لائن چل رہی ہے۔

(۲) اطباء کی غلطی: جب حکومت نے اطباء کی سرپرستی نہ کی تو ہر ایک کو اپنا کھاتہ خود چلانا پڑا۔ اس کی وجہ

سے آدھے اطباء نے سوچا کہ نزلہ و زکام کی ادویات چلانے میں تو اتنا فائدہ نہیں ہے اس لئے ہم پوشیدہ بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ سنیا سی بابا بنے۔ دوسری قوموں کے لوگ سائنسدان بنے

اور ہماری قوم کے سائنسدان سنیا سی بابا بنے۔ اب انہوں نے جگہ جگہ لکھو ادیا کہ مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا..... باہر ملک سے آنے والا آدمی جب ہماری دیواروں پر ایسی ایڈورٹائزمنٹ پڑھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے

کہ یہاں کی پوری قوم ہی کمزور ہے..... وہ نئے نئے کشتے بناتے رہے اور بادشاہوں سے انعامات پاتے رہے۔ کبھی کشتہ فولاد بناتے، کبھی سونے کا کشتہ بناتے اور کبھی چاندی کا کشتہ بناتے۔ وہ کشتوں میں لگے

رہے تا کہ کشتی ہی کرتے رہیں۔ جو قابل لوگ تھے وہ ادھر لگے رہے اور باقی ماندہ اطباء نے فقط نزلہ و زکام وغیرہ کا کام سیکھا۔

اطباء کی ایک بہت بڑی غلطی یہ بھی تھی کہ اگر کسی کے تجربے میں کوئی کامیاب نسخہ آجاتا تو وہ آگے نہیں بتاتے تھے۔ مجھے ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر نے بتایا کہ میری بیوی کو بوا سیر کی بیماری تھی۔ میں نے اس کا علاج ہسپتال سے کروانے کی بجائے ایک حکیم صاحب سے کروایا۔ اس نے ایسا اچھا علاج کیا کہ وہ بالکل صحت یاب ہو گئی۔ وہ بتانے لگے کہ ہم اس حکیم صاحب سے نسخہ پوچھتے رہے لیکن اس نے ہر بار یہی کہا کہ میں نہیں بتا سکتا۔ البتہ اس نے یہ کہا کہ میں وہ نسخہ اپنے بیٹے کو بتاؤں گا۔ اس نے اپنی آخری عمر میں اپنے بیٹے کو وہ نسخہ سمجھایا لیکن کم عمری کی وجہ سے وہ سمجھ نہ سکا۔ اس نے اسے لکھ کر بھی دیا لیکن اس نے وہ بھی ضائع کر دیا۔ اس طرح وہ نسخہ ضائع ہو گیا اور امت اس نعمت سے محروم ہو گئی..... حکیموں نے یہ تماشا کیا..... ان کا یہ خیال تھا کہ دنیا ہمیں یاد کرے گی کہ فلاں حکیم کے پاس بڑا اچھا نسخہ تھا اور دنیا میں ہمارا نام رہے گا، حالانکہ اگر وہ اس نسخے کو عام کر دیتے تو اس طرح دنیا میں ان کا نام رہتا۔ مثلاً یہ نسخہ رمضان صاحب کا ہے، یہ نسخہ سلمان صاحب کا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جنہوں نے ہومیو پیتھک میں کام کیا ان کے نام دنیا میں باقی ہیں۔ انہوں نے جو چیزیں بھی پائیں انہوں نے ان کو ڈاکومنٹ کر کے لوگوں کو دے دیا اس لئے آج لوگ ان کو یاد کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے حکیم اپنے صدری نسخے اپنے ساتھ قبر میں لے کر چلے گئے اور ان کی ساتھ علم طب بھی دفن ہو گیا۔

ایک مصنوعی چاند:

یہ سلوک صرف طبی نسخوں کے ساتھ ہی نہیں ہوا تھا بلکہ بعض فنی مہارتیں رکھنے والے لوگ اپنے فن کا راز بھی دوسروں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر عباسی دور میں حکیم بن ہاشم نامی آدمی نے ایک مصنوعی چاند بنایا۔ اسے ماہِ نخب کہتے تھے کیونکہ وہ چاندِ نخب نامی کنوئیں سے طلوع ہوتا تھا۔ وہ چاند تقریباً دو سو مربع میل کا علاقہ منور کرتا تھا۔ اس چاند کی خوبی یہ تھی کہ وہ سورج کے غروب ہوتے ہی نکل

آتا اور اس کے طلوع ہوتے ہی غروب ہو جاتا تھا۔ حکم نے اس چاند کی حقیقت کسی کو نہ بتائی اور وہ اس کا راز سینے میں لئے تیزاب کے مٹکے میں گرا اور وہیں مر گیا۔

ایک حیرت انگیز واقعہ:

ایک کتاب ہے ”اطباء کے حیرت انگیز واقعات“۔ اگر کبھی موقع ملے تو آپ وہ کتاب پڑھیں۔ اس میں واقعی حیرت انگیز واقعات ہیں۔ پہلے دور کے اطباء نبض دیکھ کر ہی مرض کی تشخیص کر دیتے تھے۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ ڈاکٹر دس ٹیسٹ کروانے کے بعد بھی کہتا ہے کہ میں ابھی تک نہیں بتا سکتا کہ کیا بیماری ہے۔ اسی کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک طبیب تھا۔ وہ اتنا متقی تھا کہ عورتوں کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ لہذا وہ عورتوں کی کلائی پر دھاگہ بندھوا کر ان کے مرض کی تشخیص کرتا تھا۔ ایک مرتبہ طبیب کے مخالفین میں سے کسی نے کہا کہ ہم اس کو آزما تے ہیں کہ اسے دھاگے سے کیسے پتا چلتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک عورت کو اس کے مطب پر لے گئے اور اسے پردے کے پیچھے بٹھا دیا۔ طبیب کو عورت کا نام بتا دیا گیا اور اس نے دھاگے کو پکڑ کر نسخہ لکھا کہ اس مریضہ کو کچے گوشت کی ضرورت ہے۔ جب دوائی دینے والے کمپوڈر نے نسخہ پڑھا تو وہ حیران ہو کر طبیب کے پاس آیا اور کہنے لگا، حکیم صاحب! یہ کیا لکھا ہے؟ کیا اس عورت کو کچے گوشت کی ضرورت ہے؟ حکیم صاحب نے کہا، ہاں، دھاگے سے مجھے اس کی مرض کا یہی پتہ چلا ہے۔ جب مریضہ کو بلا کر پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے بلی کی کلائی پر دھاگہ باندھا تھا۔ اصل میں وہ عورت ایک بلی لے کر گئی تھی تاکہ حکیم صاحب کو آزما سکے۔

اطباء کے ارتکاز توجہ کے ثمرات:

طب کی ایک کتاب ہے ”القانون“۔ وہ کتاب آج سے سینکڑوں سال پہلے لکھی گئی اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ آج بھی سو فیصد ٹھیک ہے۔ ایک طبیب تھے۔ انہوں نے ”علامات موت“ نامی کتاب لکھی۔

اس نے کہا کہ جب یہ علامات پائی جائیں تو موت یقینی ہو جاتی ہے۔ آج اتنی ترقی کے باوجود ان علامات کو فیصلہ علامت کہتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ اگر آج بھی وہ علامات آجائیں تو بندہ موت سے نہیں بچتا۔ ابن سوری کی کتاب میں خشک بوٹیوں کی رنگین تصاویر تھیں۔ اس میں ان بوٹیوں کے خواص وغیرہ لکھے ہوئے تھے۔ ابوالقاسم زہراوی نے مثانہ کی پتھری نکالنے کے لئے جسم کا جو مقام آپریشن کے لئے تجویز کیا تھا، آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ دوران خون کا جدید نظریہ ولیم ہاروے سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے بہت پہلے ابن نفیس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا۔

یہ علوم ان کو کیسے حاصل ہوئے؟ وہ اپنی توجہ کو مرکوز کر کے اپنے کام میں لگے رہتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے مطابق ان کے دماغوں میں الہام فرما دیتے تھے۔ لیکن آج وہ کنسنٹریشن ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے ریسرچ ورک ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے ہاں تو کسی بھی شعبے میں ریسرچ نہیں ہو رہی۔

سپیشلسٹ بننے کا طریقہ:

اپنی قوت کو مرکوز نہ کر سکنے کی وجہ سے یہی نہیں کہ ہماری نمازیں کمزور ہیں بلکہ ہم زندگی کے ہر شعبے میں کمزور ہیں اور کسی شعبے میں بھی آگے نہیں بڑھ رہے جب کہ کافر لوگ ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کو ایک جگہ مرکوز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سپیشلائزیشن ہے۔ یعنی وہ بچے کی پانچ سات سال کی عمر میں ہی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ اس بچے نے کون سا کھیل کھیلنا ہے۔ اس کو وہ وہی کھیل کھلاتے ہیں جس کی طرف اس کا **Aptitude** (میلان) ہوتا ہے۔ اسی کو **Aptitude**

test (میلانی جائزہ) کہتے ہیں۔ وہ بچہ جب جوان ہوتا ہے تو وہ اس کھیل میں پوری دنیا میں فرسٹ آ جاتا ہے۔ مجھے ایک جگہ پر بتایا گیا کہ اگر کسی بچے کو گیارہ بارہ سال کے بعد لے جائیں کہ اسے فلاں کھیل کھلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ تم اسے دیر سے لے آئے ہو لہذا اسے واپس لے جاؤ، یہ اب نہیں چل سکتا۔

یعنی وہ گیارہ بارہ سال کی عمر کے بعد بچے کو کھیل میں شامل ہی نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اس کو بچپن میں لانا تھا۔ اس طرح وہ بچپن سے ہی اس کے مزاج کو سمجھ کر کہ یہ کس کھیل میں دلچسپی لیتا ہے، اس کو اس وقت سے ہی ٹرینڈ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ بچہ وہی کھیل کھیلتا رہتا ہے، پھر کھیلتے کھیلتے وہ ایسا سپیشلسٹ بن جاتا ہے کہ پوری دنیا میں پہلا نمبر حاصل کر لیتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ارتکاز توجہ کے ثمرات:

اپنی قوت کو ایک جگہ مرکوز کرنے والی صفت ہمارے فقہائے ائمہ اربعہ کے اندر پائی جاتی تھی۔ جب بھی وہ کسی مسئلہ کے بارے میں سوچتے تھے تو اس کی تہہ تک چلے جاتے تھے۔ عام بندے کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس میدان میں سب سے آگے تھے۔ مثال کے طور پر.....

☆..... ایک مرتبہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ درس دے رہے تھے، اسی اثناء میں ایک عورت مسئلہ پوچھنے کے لئے آئی۔ چونکہ آپ درس دے رہے تھے اس لئے وہ خود دور کھڑی ہو گئی اور اس نے کسی بچے کے ہاتھ ایک سیب دے کر امام صاحبؒ کی طرف بھیجا۔ جب اس بچے نے وہ سیب امام صاحبؒ کو دیا تو انہوں نے سیب کے دو ٹکڑے کر کے واپس بھیج دیا۔ اب ان کے چالیس شاگرد سارا دن سوچتے رہے کہ اس عورت نے کیا کیا اور امام صاحبؒ نے کیا کیا مگر انہیں کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ بالآخر انہوں نے عرض کیا، حضرت! آپ ہی ہمیں بتادیں کہ وہ پیغام رسائی کا سلسلہ کیا تھا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ مجھ سے فقہ کا مسئلہ پوچھنے آئی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ سیب بھیج کر فقہ کا کون سا مسئلہ پوچھا جاتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ عورت حالت حیض میں تھی اور یہ مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی کہ مجھ پر غسل کب واجب ہے۔ اس لئے اس نے میری طرف ایک ایسا سیب بھیجا جو ایک

طرف سے خون کی طرح بالکل سرخ تھا اور دوسری طرف سے ہلکا سا زرد تھا۔ وہ یہ مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اگر عورت کا معاملہ ایک طرف سے دوسری طرف تک آجائے تو کیا وہ غسل کر سکتی ہے؟ اس لئے میں نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، جس میں پیغام یہ تھا کہ جب تک کپڑا اندر کی سفیدی کی طرح بالکل سفید نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ غسل نہیں کر سکتی۔

☆..... ایک مرتبہ ایک بوڑھا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں آیا اور امام صاحب کو مخاطب کر کے کہنے لگا،..... **وَإِذَا وَادُئِن**..... حضرت کے شاگرد اس بوڑھے کی بات سن کر حیران ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا،..... **وَادُئِن**..... اس کے بعد وہ جاتے ہوئے کہنے لگا..... لَا وَلَا..... حضرت کے چالیس شاگردوں میں سے اکثر فقیہ اور محدث قسم کے لوگ تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ فریقین کے درمیان کیا مکالمہ ہوا۔ وہ پورا دن سوچتے رہے کہ اس معممہ کا کیا حل ہے مگر حل نہ کر سکے۔ بالآخر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی گئی کہ حضرت! آپ ہی بتائیں کہ اس بوڑھے نے کیا کہا اور آپ نے کیا کہا؟

امام صاحب نے فرمایا کہ وہ بوڑھا مجھ سے فقہ کا مسئلہ پوچھنے آیا تھا۔ انہوں نے کہا، حضرت! یہ ایک عجیب سا مسئلہ ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس نے کہا..... **وَإِذَا وَادُئِن**..... دراصل وہ مجھ سے نماز کا مسئلہ پوچھ رہا تھا کہ جب میں التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھوں تو میں اس کو ایک واؤ کے ساتھ پڑھوں یا دو واؤ کے ساتھ پڑھوں۔ میں نے جواب دیا..... **وَادُئِن**..... یہی وجہ ہے کہ ہم حنفی لوگ یوں پڑھتے ہیں۔

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالطَّيِّبَاتُ

اب ظاہر ہے کہ اس میں دو واؤ ہیں۔ دوسرے حضرات اس کو ایک واؤ سے پڑھتے ہیں۔ پھر شاگردوں نے عرض کیا، حضرت! ہمیں یہ بات تو سمجھ میں آگئی لیکن جواب میں بوڑھے نے جو..... لاَ وَ لاَ..... کہا تھا اس کا کیا مطلب تھا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ جاتے ہوئے مجھے دعا دے گیا تھا کہ اے ابوحنیفہ! تجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے کہ اللہ اس کو پوری دنیا کے اندر اپنی رحمت سے پھیلانے اور شجرہ طیبہ کی طرح

بنائے،..... لا شرقیة ولا غربیة

کیا عام بندے کا دماغ اتنی زیادہ گہرائی تک سوچ سکتا ہے؟ یہ نعمتیں فقط ان لوگوں کو ملتی ہیں جو اپنی توجہ کو ایک جگہ پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ یہی چیز ہمیں تصوف سکھاتا ہے کہ اپنی توجہات کو اپنے نفس کے اوپر مرکوز کرو، پھر دیکھنا کہ حسد، بغض، کینہ اور دوسرے رذائل کیسے جان نہیں چھوڑتے ہیں۔ اپنی توجہات کو اپنے کام پر مرکوز کرو، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں اس کے مطابق الہام کیسے نہیں کرتے۔ آج ان دونوں نعمتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہماری زندگی ہر میدان میں ادھوری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کثرتِ ذکر کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم قوتِ ارادی کی بلندی بھی حاصل کر سکیں اور اپنی توجہات کو ایک جگہ پر مرکوز کرنے کی بھی سعادت پاسکیں۔ آمین ثم آمین۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ